۴۲ نظمیں

کتب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

کلیم الدین احمد

ناشر:-

مکتبۂ طور۔ سبزی باغ، پٹنہ ۴

سول ایجنٹ:-

کتاب منزل۔ سبزی باغ۔ پٹنہ ۴

ستمبر ۱۹۶۵ء

قیمت:- پانچ روپے ۷۵ پیسے

Rs. 5-75 P.

کتبہ: عبدالرحمن صوفی (مونگیری) مطبوعہ:- دی آزاد پریس۔ سبزی باغ، پٹنہ ۴

فہرست

نمبر	پہلی سطر	صفحہ
(۱)	چمن تھا، ہم نوا تھے، گُل بدامن دامن دل تھا	۱
(۲)	صُبحِ عید آئی مٹا نقشِ ملال	۳
(۳)	میں کُنجِ عافیت میں	۵
(۴)	کل خواب کی دُنیا میں	۸
(۵)	اے ابرِ رحمت	۱۰

(۶)	دیکھو وہ گھٹا اُٹھی	۱۳
(۷)	یہ دُنیا کی کشتی کدھر جا رہی ہے	۱۷
(۸)	تیرگی دُنیا میں ہے چھائی ہوئی	۲۰
(۹)	یہ زمیں اپنی کیسی پیاری تھی	۲۲
(۱۰)	کیسی ویران ہوگئی دُنیا	۲۴
(۱۱)	تاریک آسماں ہے، تاریک ہے زمیں بھی	۲۶
(۱۲)	ویرانے خیالوں کے	۳۰
(۱۳)	یہ مری حسین دُنیا	۳۳
(۱۴)	مجھ سے کہتا ہے میرا کاسۂ سر	۴۱
(۱۵)	تنہائی کے یہ دن ہیں	۴۵

(۱۶)	کس حسین نشیمن میں	۵۱
(۱۷)	کیسی تاریک ظلمتِ شب ہے	۵۶
(۱۸)	کیا چاندنی دیکھو پھیلی ہے	۵۹
(۱۹)	دُنیا سے دَورِ ظلمت اب ختم ہو رہا ہے	۶۳
(۲۰)	نیلگوں خلاؤں میں	۶۵
(۲۱)	دُنیا ہے میری کتنی سُہانی	۷۱
(۲۲)	گراں جو مجھ پہ یہ ہنگامۂ زمانہ ہوا	۷۵
(۲۳)	یہ حُسن درخشاں، یہ عشق سوزاں	۸۴
(۲۴)	وہ دیکھو ابرِ تیز رو	۸۷
(۲۵)	میں ہوں، دلِ ویراں ہے	۱۱۸

(۲۶)	یہ دل کا مندر سونا تھا	۱۲۲
(۲۷)	یہ جان جانِ نزاکت، ہزاروں زنجیریں	۱۳۰
(۲۸)	دیکھو ان شوخ و شنگ شعروں کو	۱۳۵
(۲۹)	زمیں تھی سہانی، فلک تھا سہانا	۱۴۰
(۳۰)	یہ خواب کی دُنیا ہے	۱۴۳
(۳۱)	یہ ابر و ہوا، یہ لالۂ و گُل	۱۴۷
(۳۲)	جو دل میں تھا میرے وہ جہاں کہاں ہے	۱۵۵
(۳۳)	آواز یہ کیسی ہے، کس دیس سے آئی ہے	۱۵۸
(۳۴)	دریا کی مست لہریں سوئی ہوئی کہیں تھیں	۱۶۳
(۳۵)	خم گیسو ہے کہیں، طرّۂ پیچاں ہے کہیں	۱۶۷

(۳۶)	یہ خواب ناز کب تک، اے مست ناز دیکھو	۱۷۱
(۳۷)	دست قدرت ہے خام کار، اسے	۱۷۴
(۳۸)	آکاش سے آتی ہے یہ صدا	۱۷۷
(۳۹)	بزم انجم میں چلو شعلۂ رخسار بنو	۱۹۰
(۴۰)	زلف پُرشکن کیوں ہے	۱۹۴
(۴۱)	وہ صُبح کا تارہ بن کے آیا	۱۹۹
(۴۲)	کیا جواں اُمنگیں ہیں	۲۰۸

کتب خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

۱

چمن تھا، ہم نوا تھے، گُل بدامن دامنِ دل تھا
شرابِ کیف لنڈھتی تھی مری بزمِ تمنّا میں
فسوں سازی سے کس کی لہلہاتا گلشنِ دل تھا
خوشی کے پھول کھلتے تھے مری چشمِ تماشا میں
سُرور و کیف کی راتیں، سُرور و کیف کے دن تھے
خزاں ہنستی ہوئی کیا آئی گلزارِ محبّت میں

چمن چھوٹا تو چھوٹا ہم نوایانِ چمن چھوٹے
مرے ارمان سب لوٹے گئے اس دشت غربت میں
خدایا ! گردشِ تقدیر یہ لائی کہاں مجھ کو
بیابان کے بگولے روندتے ہیں موج ساحل کو
نظر آتا نہیں اس دشت میں اک ہم زباں مجھ کو
کسی صورت قرار آتا نہیں اس مضطرب دل کو
کبھی آنسو بہاتا ہوں، کبھی فریاد کرتا ہوں
شبِ تاریک ہے، میں ہوں کسی کو یاد کرتا ہوں

○

۲

صبح عید آئی مٹا نقشِ ملال اوج پر ہے آج حُسنِ لازوال
ہر مہ جمال
صُورتِ خورشید ہے جلوہ فروش
ہر طرف ہے ایک شورِ نائے و نوش ہر جوان مست ہے مینا بدوش
کس کو ہے ہوش
بارور ہے دیکھو ہر نخلِ مُراد

آہ! وہ ناشاد دل کیسے ہو شاد   جس کو بیکل کر رہی ہے گُل کی یاد

گلشن کی یاد

سوزش دل جس کے دل میں ہے مکیں

صُبح عید آئی مگر دل ہے حزیں   گرد کلفت سے ہے آلودہ جبیں

اے ہم نشیں

کیوں خوشی ہے میری نظروں سے نہاں

○

(۳)

میں کنجِ عافیت میں
تھا عافیت بداماں
دل مثلِ گُل تھا خنداں
شاخِ طرب پہ رقصاں
اس کنجِ عافیت میں
یہ کیا ہوا خدایا !
اب ہیں الم کے ساماں
دل ہے کہ شمعِ گریاں
سیماب وار رقصاں

اس کنج عافیت میں
اب عافیت کہاں ہے؟

وہ پھول جس کی نکہت
جاں تھی مرے چمن کی
وہ شمع جس سے زینت
تھی اپنی انجمن کی
نظروں سے اب نہاں ہے
اے پھول تو کہاں ہے؟
اے شمع کیوں نہاں ہے؟

یہ زندگی ہماری

اک آہ دم بہ دم ہے
گویا ہماری ہستی
صورت گرِ عدم ہے
اس آہ دم بہ دم کو
صورت گرِ عدم کو
اے صانعِ حقیقت !
نقشِ ابد بنا دے
نقشِ ابد بنا دے

(۴)

کل خواب کی دُنیا میں
اِک خواب حسیں دیکھا
دیکھا کہ کوئی تیتلی
خوش رنگ، حسیں، پیاری
میرے چمن دل میں
خورشید کی کرنوں پر
رقصاں و درخشاں ہے
اور اس کا تماشائی
میرا دلِ حیراں ہے!

میں محوِ تماشا ہوں
پھر خواب کی دُنیا میں
لیکن وہ مری تیتلی
خوش رنگ، حسیں، پیاری
جو نُور کی موجوں پر
اک شعلۂ رقصاں تھی
لو! خاک میں پنہاں ہے
یارب یہ مرا دل ہے
یا خوابِ پریشاں ہے؟

○

۵

اے ابرِ رحمت
سیراب کردے!
ہے خشک ساری کھیتی ہماری
سیراب کردے!
پیاسی زمیں ہے
سیراب کردے!

کیا لہلہاتا تھا کھیت اپنا
اے ابرِ رحمت!

تیرا کرم تھا تو سر پر اپنا
سایہ کیے تھا، تو نے زمیں کو
پانی دیا تھا، پودوں کو تو نے
زندہ کیا تھا، اے ابرِ رحمت!

وہ کھیت اپنا ویراں پڑا ہے
اے ابرِ رحمت!
اب سر پہ تیرا سایہ کہاں ہے؟
سُورج اب آتش برسا رہا ہے
خنجر سے گویا برما رہا ہے
صورت اجل کی ہر خشک جڑ کو دِکھلا رہا ہے

سُوکھی زمیں ہے

اے ابرِ رحمت !

کیسی زمیں، ہے یہ سخت پتھّر

ساری جڑیں اب مُرجھا گئی ہیں

سب تشنگی سے جاں دے رہی ہیں

کچھ مر چکی ہیں، کچھ مر رہی ہیں

بیتاب ہو ہو کر کہہ رہی ہیں

اے ابرِ رحمت سیراب کر دے

سیراب کر دے !

○

۶

دیکھو وہ گھٹا اُٹھی !
سُورج کی حکومت ہے
تپتی ہے زمیں ساری
جاندار پریشاں ہیں
سب پیاس سے حیراں ہیں
دیکھو ! وہ گھٹا اُٹھی
وہ موج نسیم آئی !

سُوکھے ہوئے پودوں کو
اُجڑے ہوئے کھیتوں کو
اُمید کی اِک دھُندلی
سی شکل نظر آئی
دیکھو وہ گھٹا اُٹھی

لو! ابر کا دامن ہے
اب سایہ فگن ہر سُو
رُوپوش شعاعیں ہیں
آزاد ہوائیں ہیں
اس ابر کے دامن میں
پنہاں کوئی جادُو ہے

اب عالمِ ویراں میں
تغیُّر کا عالم ہے
ہر چیز شگفتہ ہے
شاداب ہے، خنداں ہے
اس ابر کے دامن میں
پنہاں کوئی جادُو ہے!

کیا جوش پہ بادَل ہیں!
کس زور کی بارش ہے!
یہ بُوندیں برستی ہیں
یا بارشِ رحمت ہے؟
ہر شاخ شگفتہ ہے

سیراب ہیں سب پودے
سیراب زمیں ساری
سیراب زماں سارا
سیراب مرا دل ہے !

○

۷

یہ دُنیا کی کشتی کِدھر جا رہی ہے ؟
فلک پر ہیں تاریک بادل خراماں
ہَوائیں ہیں بے چین ، بجلی ہے رقصاں
گرج رعد کی وہ کہ دل ہوں ہراساں
نظر آتے ہیں صاف طوفاں کے ساماں
یہ دُنیا کی کشتی کِدھر جا رہی ہے

جو کشتی میں ہیں محوِ خوابِ گراں ہیں
انہیں کیا خبر کون ہیں وہ کہاں ہیں
بہے جا رہے ہیں
نحوست پس و پیش منڈلا رہی ہے
اجل کی یہ پیہم صدا آ رہی ہے:
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں
اُٹھے کون سب محوِ خوابِ گراں ہیں
بہے جا رہے ہیں!

وہ طوفان اُٹھا!
مسلسل ہوَا شور و غل کر رہی ہے
چمک ہر گھڑی برق دِکھلا رہی ہے

گرج دَم بہ دَم رعد کی ہو رہی ہے
زمیں آسماں سے گلے مل رہی ہے
کدھر ہے وہ کشتی ؟
وہ دُھندلی سی دیکھو! نظر آ رہی ہے
تھپیڑوں سے موجوں کے تھرّا رہی ہے
چلی جا رہی تھی، چلی جا رہی ہے
یہ دُنیا کی کشتی کدھر جا رہی ہے

○

۸

تیرگی دُنیا میں ہے چھائی ہوئی
روشنی سُورج کی مدھم پڑگئی
چاند اپنی شکل دِکھلاتا نہیں
ایک تارا بھی نظر آتا نہیں
ہر طرف چھایا ہوا ہے اِک دُھواں
جنگ کا لہرا رہا ہے اب نشاں
کیسی توپوں کی گرج ہے الاماں!
کیوں نہ تھرّائیں زمین و آسماں

جس طرف دیکھو اُدھر دیوِ فساد
خندہ زن ہے عالمِ ایجاد پر
آج ہیں ناشاد وہ کل تھے جو شاد
برق ہنستی ہے مِری بُنیاد پر
کالے بادَل اُٹھ رہے ہیں ہر گھڑی
روشنی سُورج کی مدھم پڑ گئی
چاند اپنی شکل دِکھلاتا نہیں
ایک تارا بھی نظر آتا نہیں
تیرگی دُنیا میں ہے چھائی ہوئی!

○

(۹)

یہ زمیں اپنی کیسی پیاری تھی
اس میں قدرت نے کی تھی گُلکاری
حُسن کی شوخ و شنگ تصویریں
جو نہ بھولیں کبھی وہ تنویریں
دل کے آئینہ میں درخشاں تھیں

کیسی صورت بدل گئی دل کی
اس پہ چھائی ہوئی ہے ویرانی
شاد کیسے ہو اب دلِ ناشاد
گُلشنِ دہر ہو گیا برباد
اِک دُھواں سا زمیں سے اُٹھتا ہے!

○

۱۰

کیسی ویران ہوگئی دُنیا
زندگی کا کوئی نشاں نہ رہا
شہر ویراں، مکاں شکستہ ہیں
خشک پودے ہیں، خشک ہر چشمہ
کل جو گلشن تھا آج صحرا ہے

شعلۂ زندگی بھڑک اُٹھا
مُردہ شاخوں میں تازہ جان آئی
پتّیاں نکلیں، پھُول بھی پھُولے
حُسن رنگیں شباب پر آیا
کیسا دُنیا نے رُوپ بدلا ہے

○

۱۱

تاریک آسماں ہے، تاریک ہے زمیں بھی
جنگل سے کیا بھیانک آواز آ رہی ہے
جنگل ہے میرے دل میں
جنگل کے بیچ میں ہے چھوٹا سا ایک میداں
میداں ہے میرے دل میں

میداں اسے نہ کہیے، یہ پُر فضا چمن ہے
ہر نخل بارور ہے، ہر شاخ باثمر ہے
ہر غنچہ کھل رہا ہے
آرائشِ چمن ہے اک دعوتِ نظارہ
چشمہ بھی موج بن کر اُٹھ اُٹھ کے دیکھتا ہے
یہ باغ میرا دل ہے
جنگل سے کیا بھیانک آواز آ رہی ہے
جنگل میں کیسی کیسی خونخوار ہستیاں ہیں
مجبور جُرم و عصیاں، محروم دین و دُنیا
جنگل بھی میرا دل ہے

یہ کون جھانکتا ہے جنگل کی جھاڑیوں سے؟

تاریک آسماں ہے، تاریک ہے زمیں بھی
جنگل سے کیا بھیانک آواز آ رہی ہے
جو پُر فضا چمن تھا، اب ہے خزاں کا مسکن
بے برگ ہر شجر ہے، اب پھول ہیں نہ پھل ہے
بس خاک اُڑ رہی ہے!

یہ کون جھانکتا تھا جنگل کی جھاڑیوں سے
اِک خواب تھا پریشاں
تاریک آسماں ہے، تاریک ہے زمیں بھی
جنگل سے کچھ بھیانک آواز آ رہی ہے
لیکن یہ باغ میرا شاداب و پُر فضا ہے
ہر نخل باردار ہے، ہر شاخ باثمر ہے

ہر غنچہ کِھل رہا ہے
یہ باغ میرا دل ہے
جنگل بھی میرا دل ہے
یہ کون جھانکتا ہے جنگل کی جھاڑیوں سے !

○

(۱۲)

ویرانے خیالوں کے
سنسان پڑے کیوں ہیں ؟

گھنگھور گھٹائیں ہیں
کیا مست ہوائیں ہیں
بجلی بھی چمکتی ہے
یہ ابر و ہوا دیکھو
یہ سبزہ و گُل دیکھو
رنگین بہاروں سے

پیمانے بھرے، دیکھو!

یہ حُسن کی بستی ہے
یہ درد کی بستی ہے
زلفوں کی شکن دیکھو
آہوں کی چبھن دیکھو
بیباک نگاہوں کی
یہ تیغِ حیا دیکھو
یہ طورِ جفا دیکھو
یہ عرضِ وفا دیکھو

کیوں حُسن مچلتا ہے

کیوں عشق تڑپتا ہے
ارمانوں کی آنکھوں میں
آنسو کی تری کیوں ہے
اور دل کی بہاروں میں
رنگوں کی کمی کیوں ہے
ان رنگوں سے بنتے ہیں
دکھ درد کے افسانے
ان اشکوں میں پلتے ہیں
شعروں کے یہ دُر دانے
حیرت سے جنھیں تکتی
ہیں آنکھیں ستاروں کی!

○

۱۳

یہ مری حسیں دُنیا
خواب ہے کہ افسانہ
اس طلسم رنگیں میں
نور بھی ہے نکہت بھی
اس کو میں نے دیکھا ہے
جب کہ ظلمتِ شب میں
نرم نرم ریشم سی
چاندنی فضاؤں میں
نُور پھیل جاتا ہے

اور ننھّے تاروں کی
آنکھیں جگمگاتی ہیں
اور کہکشاں اپنی
سیمگوں بہاروں میں
چاند کو بُلاتی ہے
اور میں نے دیکھا ہے
صُبح کی ہواؤں میں
سُورج اپنی کرنوں کا
جال جب بچھاتا ہے
حُسن صید ہوتا ہے
موجِ نور اُٹھتی ہے
اس حسین دُنیا میں

میں نے یہ بھی دیکھا ہے
صُبح کی فضاؤں میں
رنگ ہے، لطافت ہے
نرم نرم سبزوں پر
اوس جگمگاتی ہے
اور اوس کھا کھا کر
کلیاں مُسکراتی ہیں
رنگ و بُو کے پردوں پر
بجلیاں چمکتی ہیں

یہ مری حسیں دُنیا
شعر ہے کہ افسانہ

اس میں مَیں نے دیکھا ہے
عشق کا بھی جادُو ہے
حسرتوں، تمنّاؤں
آرزوؤں، اُمّیدوں
ولولوں، اُمنگوں کی
بجلیاں تڑپتی ہیں
اس طلسم حیرت میں
کتنے شعبدے دیکھے
شوق برملا دیکھا
شعلۂ نہاں دیکھا
جورِ ناسزا پر بھی
وعدۂ وفا دیکھا

درد کی دوا دیکھی
درد لادوا دیکھا

دیکھو! وہ گلِ رعنا
بہر سیر آیا ہے
اس کے لال ہونٹوں پر
پھول جگمگاتے ہیں
اور اس کی آنکھوں میں
تارے مسکراتے ہیں
گورے گورے گالوں میں
بجلیاں تڑپتی ہیں
موج نور اٹھتی ہے

اور طُور کا شعلہ
اپنی لَن تَرانی کی
ڈینگ بھُول جاتا ہے
میرے خُشک ہونٹوں پر
پیار تھرتھراتے ہیں
پیار...... تھرتھراتے...... ہیں
بجلیاں چمکتی ہیں
رعد بھی گرجتا ہے
آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں
پاؤں ڈگمگاتے ہیں
چاند سُورج اور تارے
اے لو! کیا ہوا ان کو

اپنے مرکز و محور
سے بھٹکتے پھرتے ہیں
اور لڑ کر آپس میں
پاش پاش ہوتے ہیں
اور یہ شبِ دیجور
ان کے چُور ٹکڑوں سے
ظلمتیں بناتی ہے
یہ طلسم نور افشاں
ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے

آہ ! وہ گُلِ رعنا
استخوان سیمیں ہے

اور استخواں اپنے
رنگ و بُو کے پالنوں سے
شعبدہ دِکھاتا ہے
نقشِ نو بناتا ہے

یہ مری حسیں دُنیا
خواب ہے کہ افسانہ

○

(۱۴)

مجھ سے کہتا ہے میرا کاسۂ سر
حُسن فانی ہے، عشق بھی فانی
شعر فانی، سخن بھی فانی ہے
یہ جہاں کیا ہے؟ اک طلسم خیال
میں ہی ظاہر ہوں، میں ہی باطن ہوں
استخواں باقی، استخواں باقی

یہ سرِ پُر غرور کس کا ہے؟
ٹھوکروں سے جو یوں شکستہ ہے
سُنو کہتا ہے کیا یہ کاسۂ سر:
بود آدم نمودِ شبنم ہے
ایک دو دم میں پھر ہوا ہے یہ
آ رہی ہے یہ کیسی اب آواز؟
بج رہے ہیں یہ استخواں کے ساز:
خاک میں رشکِ آسماں سے ملی
ہائے کیسی بلند ایوانی
تاج میں جن کے ٹکتے تھے گوہر
ٹھوکریں کھاتے ہیں وہ کاسۂ سر۔
دیکھو، میری یہ کارسازی ہے

خاک میں یوں جو ترک و تازی ہے
موت سے مجھ کو رستگاری ہے
میرا سِکّہ جہاں میں جاری ہے
استخواں باقی، استخواں باقی

زیرِ لب کہہ رہا ہے کاسۂ سر
سرِ شاہیں کہاں، کلاہ کہاں
بالِ جبریل و مہر و ماہ کہاں
سَرنگوں ہے یہ لالۂ صحرا
داغ گوں ہے یہ شعلۂ سینا
اپنی آنکھوں سے میں نے ڈھونڈا ہے
جامِ در دست ہیں کدھر حوریں

لبِ کوثر کہاں ہے ، جہنّم غیفر
راکھ کا ایک ڈھیر نارِ سعیر
میں ہی جنّت ہوں ، میں ہی دوزخ ہوں
میں ہی اوّل ہوں ، میں ہی آخر ہوں
استخواں باقی ، استخواں باقی

○

(۱۵)

تنہائی کے یہ دِن ہیں
تنہائی کی یہ راتیں
اے محرمِ تنہائی
یہ رُوح کا سنّاٹا
دل کو مِرے بھاتا ہے

گُلشن کی بہاروں سے
صحرا کے غزالوں سے
ان چاند ستاروں سے
میں دُور بھٹکتا ہوں
پھُولوں سے بھی پیارا ہے
دل کا مِرے ویرانہ

میں کون ہوں میں کیا ہوں
اِک لعل ہوں مدفن میں
اک پھُول ہوں صحرا میں
اک شمع ہوں، جَلتے ہیں
جس سے پرِ پروانہ

میں حسن سے بیگانہ
میں عشق سے بیگانہ
میں شعر نہ افسانہ
پھر کیوں یہ خلش دل کو
رہ رہ کے ستاتی ہے
کیوں درد یہ اُٹھتا ہے
وحشت مجھے ہوتی ہے

اس درد کو سینے میں
مَیں لے کے نکلتا ہوں
گلشن میں دکھاتا ہوں
صحرا کو سناتا ہوں

صحرا کے بگولوں کے
ہونٹوں پہ تبسم ہے
کوہوں کی بلندی پر
پھولوں میں تلاطم ہے
کوئی نہیں سنتا ہے
دل کا مرے افسانہ

انسانوں کی دنیا میں
پھر دل کو دکھاتا ہوں
یہ حسن کی دنیا ہے
یہ عشق کی دنیا ہے
یہ درد کی دنیا ہے

میں بزم میں جاتا ہوں
دُکھ درد سُناتا ہوں
پر حُسن کو نخوت ہے
اور عشق ہے دیوانہ
آنکھیں ہیں تو نابینا
دانائی ہے نادانی
خلوت ہو کہ جلوت ہو
سُنتا نہ سمجھتا ہے
کوئی مرا افسانہ

صحرائے دل و جاں میں
تاریک ہے سنّاٹا

اک شہر خموشاں ہے
یہ رُوح کا ویرانہ
پھر کیوں یہ خلش دل کو
دن رات ستاتی ہے

○

(۱۶)

کس حسیں نشیمن میں
میرے طائرِ جاں نے
آشیاں بنایا ہے !

یہ مرا نشیمن ہے
کوہ کی بلندی پر
سامنے فضاؤں میں

شب کو ظلمتِ شب میں
ننّھے ننّھے جُگنو کے
تارے جگمگاتے ہیں
اور چاند کے چشمے
ندّیاں بہاتے ہیں
شام کو شفق اپنے
رنگ کے خزانوں سے
کوہ کو سجاتی ہے
اور صُبحدم سُورج
اپنی نرم کِرنوں کا
تاجِ زر پنھاتا ہے

اس مرے نشیمن میں
اس حسین گلشن میں
ٹھنڈے ٹھنڈے سائے ہیں
پھولوں کے نظارے ہیں
جو زمیں کے تارے ہیں
چشمے گیت گاتے ہیں
آئینے بناتے ہیں

اس حسیں نشیمن میں
دردِ دل کے گلشن میں
میرے طائرِ جاں نے
ہم سخن بنائے ہیں

ہم نوا بنائے ہیں
پیار انہیں سکھائے ہیں
یہ رفیقِ دل اس سے
کسب نور کرتے ہیں

آہ ! اس نشیمن میں
مارِ آستیں کیسے
کیسے دشمنِ جاں ہیں
دیکھو طائرِ جاں کو
کس کے تیز تیروں کا
آج یہ نشانہ ہے
درد سے تڑپتا ہے

خاک و خوں میں غلطاں ہے

آہ ! کس نشیمن میں
میرے طائرِ جاں نے
آشیاں بنایا ہے

○

۱۷

کیسی تاریک ظلمتِ شب ہے
مجھے کچھ بھی نظر نہیں آتا
دل تڑپتا ہے ، جاں سِسکتی ہے
نا اُمیدی اُمید بنتی ہے
کیا کروں آہ ! کس طرف جاؤں ؟

دیکھو دیکھو وہ ظلمتِ شب میں

ننھے جگنو سے کچھ چمکتے ہیں
اور رستہ مجھے بتاتے ہیں
نہیں جگنو، یہ میرا فکرِ بلند
لفظوں کی کرنیں لے کے آیا ہے
اور کرنوں کے تیز نیزوں سے
ظلمتِ دل کو صید کرتا ہے

چمکو چمکو فضا میں اے لفظو
میری دُنیا کو جگمگا جاؤ
نُور کی ندّیاں بہا جاؤ
تم سے روشن فلک پہ ہیں تارے
کہکشاں، سُورج اور سیّارے

پھولوں میں یہ مہک تمہاری ہے
بلبلوں میں چہک تمہاری ہے
ابرِ رحمت ہو ، آبِ حیواں ہو
تم سے سیراب کیوں نہ انساں ہو
مرہمِ زخمِ کائنات ہو تم
اوّل و آخرِ حیات ہو تم

○

(۱۸)

کیا چاندنی دیکھو پھیلی ہے
راتوں کو اُجالا ہوتا ہے
نظروں میں اُجالا ہوتا ہے
دل میں بھی اُجالا ہوتا ہے
ان ٹھنڈی نور کی کرنوں میں
وہ موتی کیسا چمکتا ہے

یہ موتی حُسن کا مندر ہے
کیا پیاری حُسن کی دیوی ہے
یہ ناز و ادا ، یہ شرم و حیا
یہ عشوہ ، کرشمہ ، تیغ جفا
زلفوں میں شکن ، تیکھی چتون
یہ کیسی پیاری دیوی ہے
یہ کیسا دل کو لبھاتی ہے
اور اس کا عشق پجاری ہے
جو غزلوں کی مالا لے کر
اس دیوی کی پوجا کرتا ہے
یہ اشک کا بہنا آنکھوں سے
یہ درد کا اُٹھنا سینوں میں

یہ دل کی جلن، آہوں کی چبھن
یہ عرضِ وفا، تسلیم و رضا
یہ آرزوئیں، یہ اُمّیدیں
ان رنگیں زرّیں مالاؤں
سے آؤ سجاؤ مندر کو!

یہ چاندنی کا تھا خواب حسیں
یہ چاند کا سارا جادُو تھا
اب نور نظر میں پھرتا ہے
دیوی ہے نہ مندر ہے کوئی
ٹوٹی سی دیکھو عمارت ہے
کیسی ہیں شکستہ دیواریں

کیسی یہ بھیانک صورت ہے
یہ روئے سیہ، خوں ریز نگہ
یہ طبل و علم، شمشیر وسناں
زنجیر وسلاسل، طوق گراں
یہ ظلم و تشدّد کے ہیں علم
یہ قہر کسی دیوی کا ہے نشاں
ہر صبح اُمنگوں، اُمیدوں
ہر شام خیالوں، ارمانوں
کو کچلا، روندا جاتا ہے
کیا خون کے چشمے بہتے ہیں
یوں حسن کی پوجا ہوتی ہے

(۱۹)

دُنیا سے دَورِ ظلمت اب ختم ہو رہا ہے
آثارِ صُبح کے سب بکھرے ہوئے پڑے ہیں
ٹھنڈی ہَوا کے جھونکے رَہ رَہ کے آرہے ہیں

پُورب میں دیکھو! سُورج کروَٹ بدَل رہا ہے
یہ ننھّے ننھّے تارے آمادۂ سفر ہیں
کچھ آگے جاچُکے ہیں، جو ہیں وہ منتشر ہیں

اَوجِ فلک سے اُتریں کیا نرم نرم کرنیں
ہر گوشۂ چمن میں تازہ شگفتگی ہے

سبزے لہک رہے ہیں، شبنم چمک رہی ہے

شاخِ زمرّدیں میں اِک پھُول کھِل رہا ہے
اس کو وہ شوخ کرنیں ہنس ہنس کے چُومتی ہیں
شاخیں لچک لچک کر مَستی میں جھُومتی ہیں

وہ نیم باز آنکھیں، وہ دِلرُبا تبسّم
وہ رنگ کا تموّج، نکہت کا وہ تلاطم
اس نے ضرور کوئی دِلچسپ خواب دیکھا
حُسن اَپنا باغِ عالم میں انتخاب دیکھا۔
اَب میں کہاں سے لاؤں اس پھُول کا تبسّم؟

○

(۲۰)

نیلگوں خلاؤں میں
کیا بڑا چمکتا ہے
اک رباط زرّیں ہے
اک طلسم رنگیں ہے
اس رباط زرّیں کو
صانع حقیقت نے
اپنے دست قدرت سے
حُسن اور ندرت سے
نُور سے سجایا ہے

اس طلسم رنگیں سے
پردہ ہائے سیمیں پر
موسموں کی لیلائیں
سانگ کیا بناتی ہیں
رنگ و بُو کے قلموں سے
شوخ و شنگ تصویریں
حُسن نے بنائی ہیں
عشق نے سجائی ہیں

یہ حسین تصویریں
نُور کے فرشتے ہیں
رنگ و بُو کی پریاں ہیں

ان کی بھولی آنکھوں میں
دلبری و رعنائی
ان کی نیچی نظروں میں
شرم اور مسیحائی
اور جو فرشتے ہیں
وہ وفا کے پُتلے ہیں
ان کا بس یہ شیوہ ہے
عاشقی و جانبازی
جانکنی و رُسوائی
اور ان کی نظروں میں
رحم اور رحمت ہے

اس رباطِ رنگیں کے
پردہائے سیمیں پر
سین جب بدلتے ہیں
شعر ہوتے ہیں رخصت
غزلیں چُپ لگاتی ہیں
روشنی چمکتی ہے
اب جو دیکھتا ہوں میں
حُسن ہے نہ رعنائی
عشق ہے نہ رُسوائی
گُل کے سُرخ ہونٹوں پر
خار مُسکراتے ہیں
موتیوں کے دانتوں میں

کنکروں کے ٹکڑے ہیں
بُلبلوں کے سازوں میں
مینڈکوں کی جھنائی
بھدّے راگ گاتی ہے

کیا مہیب جنگل ہے
کیا مہیب شکلیں ہیں
کیسے یہ دَرِندے ہیں
جن سے دِل لرزتے ہیں
حُسن کے شِکاری ہیں
خیر کے شِکاری ہیں
مَست ہیں شقاوت میں

غرق ہیں عداوت میں
اور زعمِ طاقت میں
ہیکڑی جتاتے ہیں
اور غریب انساں کو
چیر پھاڑ کھاتے ہیں
خُون چُوس لیتے ہیں
اور یہ دَرِندے پھر
اس رباطِ زرّیں کے
پردہائے سیمیں پر
پریوں اور فرشتوں کا
رُوپ دھار لیتے ہیں

(۲۱)

دُنیا ہے میری کتنی سُہانی
یہ رنگ و بُو سے کیسی سجی ہے
یہ لالۂ و گُل ، یہ سرو و سُنبل
کیسے ہیں ان کے رنگیں نظارے
چاندی کے چشمے کیا بہہ رہے ہیں
جنگل سجے ہیں کیسے سجیلے
تاروں کی شمعیں جلتی ہیں کیا کیا
بجلی کی مشعل کیسی ہے روشن

کیوں دل کی بستی سُونی پڑی ہے
تصویرِ حسرت کیوں یہ بنی ہے
آنکھوں سے جاری دل کا لہُو ہے
یہ بندِ غم کیا، قیدِ اجل کیوں
شمعِ سحر کی نوکِ زباں پر
وردِ زباں ہے: وہ آسماں پر
میں ہوں زمیں پر، اس کو خبر کیا
سوزِ دروں کی، دل کی جلن کی
مجھ سے بھلا وہ کیوں ہم سخن ہو
کیوں ہم زباں ہو، فریاد رس ہو

یہ دیکھو ننھّی ننھّی سی شبنم

پیغام لائی کیا آسماں سے
کیا دیکھتا ہے دُنیائے دوں کو
ہستی کے دل کے داغِ دروں کو
چھوڑ اس زمیں کو، دیکھ آسماں کو
یہ چاند تارے کیسے ہیں پیارے
زرّیں نظارے، زرّیں نظارے
اس بندِ غم سے، قیدِ فنا سے
آزاد بھی ہیں، دل شاد بھی ہیں

جنّت سے آئیں زرّیں شعاعیں
مجھ کو بُلایا اوجِ فلک پر
جبریلؑ حیراں، شیطاں بھی حیراں

پہنچی کہاں تک پروازِ انساں
اب کیا بتاؤں کیا میں نے دیکھا
کیوں دل کی بستی سُونی پڑی ہے
جنّ و ملائک کیا حُور و غلماں
سکتے کا عالم ان پر ہے طاری
یہ کاخ و ایواں خالی پڑے ہیں
شاخیں ہیں سُوکھی باغِ ارم کی
جنّت بھی سُونی، دوزخ بھی سونی
عرشِ بریں پر اک ہُو کا عالم

○

(۲۲)

گراں جو مُجھ پہ یہ ہنگامۂ زمانہ ہوا
جہاں سے باندھ کے رختِ سفر روانہ ہوا —
یہ جی میں آئی کہ پوچھوں خدائے دُنیا سے
یہ دُنیا تو نے بنائی تو کیوں بنائی ہے
رحیم تو ہے تو کیوں درد و غم کے کوہ گراں
غریب و بیکس و مجبور کو کُچلتے ہیں
جمیل تو ہے تو پھر اس عروسِ گیتی کے

حسین چاند سے چہرے میں یہ گہن کیوں ہے
یہ ظلم کیوں ہے، اذیّت ہے کیوں، بدی کیوں ہے

تلاش میں نے بہت کی، وہ قادرِ مطلق
ہزار پردوں میں مُنھ کو چھپائے بیٹھا تھا
یہ سوچا میں نے کہ پوچھوں سکوت دریا سے
بتائے راز وہ سرچشمۂ حقیقت کا
فرازِ کوہ سے پوچھا مرا وہ عرش نشیں
زمیں سے دُور فلک پر کہاں چھپا ہے بتا
نہ پھُولوں ہی نے بتایا نہ راز شبنم نے
پیمبروں سے بھی پُوچھا، جواب کچھ نہ مِلا
خدا کی بات بتائی نہ اس کے محرم نے

فلک پہ پہنچا، ستاروں سے چاند سے پوچھا
کچھ آگے بڑھ کے پھر آنکھیں ملائیں سُورج سے
کہا یہ میں نے کہ اے نُور و نار کے چشمے
بتا جو شعلہ سرِ کوہِ طُور چمکا تھا
وہ آج کس فلکِ نُور پر دَرخشاں ہے
جواب کچھ نہ ملا

میں اور آگے بڑھا نیلگوں خلاؤں میں
تمام بڑھتے ہوئے نُور کے نظارے تھے
میں کیا بتاؤں کہ کتنے ثوابت زرّیں
چمک رہے تھے اور اُن کے حسین سیّارے

بنا رہے تھے نئے نور و نار کے نقشے
کہیں تو کھولتے دریا تھے کہکشانوں کے
کہیں اُبلتے تھے سورج، پگھلتے تھے تارے
کہیں پہ جھڑتے تھے آتش فشاں سے سیّارے
کہ نخلِ طور میں پھر کونپلیں نکلتی تھیں
مگر یہ نور کا شہر خموشاں تھا خاموش
جواب کچھ نہ ملا۔

میں آگے بڑھتا گیا نیلگوں خلاؤں میں
نہ عرش تھا، نہ ملائک کہیں، نہ حوریں تھیں
مری تلاش مجھے لے گئی پھر ایسی جگہ
جہاں سے ظلمتِ شب کو ملی تھی تاریکی

محیط چاروں طرف اِک دُھواں تھا ظلمت کا
نہ نُور تھا، نہ یہاں نُور کے نظارے تھے
نہ کہکشاں تھی، نہ سُورج، نہ چاند تارے تھے
مہیب پردۂ ظلمات میں تلاطم تھا
جدھر کو دیکھئے تاریکیاں اُبلتی تھیں
بھٹکتا پھرتا تھا میں، راستہ نہ ملتا تھا
سمجھ میں آتا نہ تھا اس جگہ کو کیا کہئے
یہ وہ مقام تھا ظلمت کا جس کو دل کہئے
کہ اتنے میں یہ صدا گونجتی نظر آئی
یہ کون آیا ہے میرے حصارِ ظلمت میں
ارے تجھے کوئی معلوم اسمِ اعظم ہے
جو تونے توڑا ہے میرے طلسمِ ظلمت کو

کہا یہ میں نے کہ اے کائنات کے خالق
میں تیری قدرتِ مطلق کا اِک کرشمہ ہوں
تری خلاؤں کے گوشہ میں ایک سیّارہ
جو اک نگار سراپا ہے حُسن و رعنائی
زمیں جسے یدِ قدرت نے خود سنوارا ہے
اسی زمیں میں یہ انسان تیرے بستے ہیں
جو صُبح و شام ہیں مشغول حمد میں تیری
تجھے خبر ہے کہ کیسے ہیں ان پہ سخت ایّام
اور ان غریبوں کے اوقات تنگ ہیں کتنے
وہ تلملاتے تڑپتے ہیں آہ کرتے ہیں
تمیز بندۂ و آقا کے اِک طرف جھگڑے

کہیں ہے محنت و سرمایہ میں نزاع و خروش
مہیب جنگیں ہیں اور جنگِ زرگری بھی ہے
رحیم تو ہے تو پھر کیوں ہے قہر دُنیا میں
رحیم تو ہے تو انسانیت کا خوں کیوں ہے
فساد کیوں ہے، تنازع ہے کیوں، فنا کیوں ہے
یہ دُنیا تو نے بنائی تو کیوں بنائی ہے
اسے بنانا تھا لیکن نہ یوں بنانا تھا
اگر بُرا نہ لگے یہ سوال تو پوچھوں
حیات کیوں ہے، خودی کیا ہے، میری منزل کیا

مِرے سوال کے بعد اِک سکوت کامل تھا
کسی نے باتوں کا میری جواب کچھ نہ دیا

مگر سُنا کہ کوئی زیرِ لب یہ کہتا ہے:

زمین کیا ہے، یہ انسان کس کو کہتے ہیں
میں سوچتا ہوں مگر یاد کچھ نہیں آتا
بہت تلاش کی میں نے ضمیرِ امکاں میں
مجھے خبر نہیں یہ خیر کیا ہے شر کیوں ہے
حیات و موت کے جھگڑے کہاں سے آئے ہیں
فساد کیا ہے، اذیت ہے کیوں، ستم کیا ہے
یہ حُسن و عشق کی رنگین داستاں کیا ہے
تلاش کیا ہے، خودی کیا ہے اور منزل کیا
خبر نہیں مری فطرت کا کیا تقاضا تھا
کہ اِس زمین پر انساں وجود میں آئے
جو آج توڑ رہے ہیں حصارِ ظلمت کو

مِرا تو کام ہے خلّاقی اور —— خلّاقی
میں دم بہ دم نئے نقشے بنائے جاتا ہوں
اور ان خلاؤں میں عالم نئے بساتا ہوں
مِرے اشارے پہ دُنیا بگڑتی بنتی ہے
اگر مِلی مجھے فرصت کچھ ان جھمیلوں سے
تو اس زمین کو میں اپنا گھر بناؤں گا
میں دل بنوں گا، بتاؤں گا دردِ دل کیا ہے
قسم خدا کی میں سیکھوں گا جراَتِ پرواز!

○

(۲۳)

یہ حُسن رخشاں، یہ عشق سوزاں
یہ خیر و شر کے جھگڑے جھمیلے
یہ نُور و ظلمت، یہ کفر و ایماں
میں نے بنائے۔ جنّت بنائی
پھُولوں سے اس کو میں نے سجایا
چاندی کی نہریں میں نے بہائیں

آدم بنایا، حوّا بنائی
جنّت میں ان کو میں نے بسایا
جنّت سے ان کو میں نے نکالا
میں نے نکالا۔ دوزخ بنائی
ایک آگ اس میں ایسی جلائی
جس کی تپش سے دُنیا ہے لرزاں
رُوحوں کو اس کا ایندھن بنا کر
میں نے جَلایا، میں نے جَلایا
یہ کاخ و ایواں، یہ حور و غلماں
یہ عرش و کُرسی، یہ شاخ طوبیٰ
جن و ملائک میں نے بنائے
جبریل میرا، شیطان میرا

ظاہر بھی مجھ سے، باطن بھی مجھ سے
اوّل بھی میں ہوں، آخر بھی میں ہوں
میری خودی نے یزداں بنایا
اللہ اکبر! اللہ اکبر!

○

(۲۴)

(۱)

وہ دیکھو ابر تیز رو
فلک پہ ہے رواں دواں
وہ لازوال ایلچی
وہ راز جو، وہ راز داں
نہ جانے کس لگن میں ہے
وہ آج یوں رواں دواں

سُن اے سبک روِ فلک
ذرا مری بھی بات سُن
بتا وہ میرا مہ جبیں
وہ میرے دل کی روشنی
وہ حُسن، حُسنِ جاں گزیں
وہ جان، جانِ زندگی
خفا ہے کیوں، یہ کیا ہوا
کہ مجھ سے روٹھ کر وہ یوں
نظر سے دُور جا چھپا
زمیں سے دُور جا چھپا

یہ حال سُن، یہ حال دیکھ

یہ صورتِ سوال دیکھ
میں ڈھونڈتا ہوں رات دن
نہ دن کو چین ہے مجھے
نہ شب کو خواب ہے مجھے
زمیں کو چھانتا رہا
فلک کو ناپتا رہا
ہزار کھوجتا رہا
مگر نہ کچھ پتا چلا
بہار بولتی نہیں
بگولے بھی خموش ہیں
نہ جانے کیوں وہ مہ جبیں
نظر سے دور، دل سے دور

زمیں سے دور چھپ گیا

جو رازدانِ راز ہیں
وہ کہتے ہیں کہ بے گماں
وہ زلف پُرشکن میں ہے
وہ چشم سحر فن میں ہے
سخن کے بانکپن میں ہے
وہ رازجو، وہ رازداں
یہ کہتے ہیں کہ بے گماں
وہ چاند کی چمک میں ہے
وہ پھول کی مہک میں ہے
وہ شعلہ کی لپک میں ہے

یہ سب خیالِ خام ہے
یہ وہم ہے، سنک بھی ہے
کہاں وہ میرا مہ جبیں
کہاں یہ زلفِ پُرشکن
کہاں وہ دل کی روشنی
کہاں یہ شعلہ کی لپک

سُن اے فلک کے راز داں
سُن اے زمیں کے راز داں
میں ڈھونڈتا رہا اسے
مگر کبھی نہ پا سکا
یہ خار مُسکراتے ہیں

یہ کانٹے بھی کھٹکتے ہیں
جو آبلے ہیں پاؤں میں
پھپھولے دل میں بن گئے
یہ پاؤں میرے تھک گئے
یہ آنکھیں میری تھک گئیں
نظر میں اب نظر نہیں
میں کیا کروں، کسے کہوں
سوال سُن، یہ حال دیکھ

کدھر ہے ابر تیز رو
یہ میرے دل کی بات سُن
جو بس چلے تو ہاتھوں میں

میں اپنا دل بھی دوں تجھے
ترا یہی تو کام ہے
پیام لے ، پیام دے
تو جھک کے میرے پاس آ
یہ بات میری دل سے سُن
اگر ملے وہ مہ جبیں
تو کہہ : میں بے قصور ہوں
یہ دل پہ کیوں عتاب ہے
یہ جاں پہ کیوں عذاب ہے
جو یوں نظر سے دور ہے
مری نظر ہے منتظر
یہ دل ، یہ جاں ہے منتظر

یہ التجا ہے۔ روز و شب
زباں پہ یہ کلام ہے
ذرا وہ اپنے چہرے سے
نقاب کو اُٹھائے تو
وہ آنکھوں میں سمائے تو
وہ دل میں میرے آئے تو
میں سینے سے لگاؤں گا
میں آنکھوں میں بٹھاؤں گا
میں دردِ دل سُناؤں گا
میں لال لال آنسوؤں
کا ہار اسے پنھاؤں گا
وہ رُوٹھے گا جو ناز سے

نیاز سے مناؤں گا
وہ میرے دل میں آئے تو
میں دل اسے دِکھاؤں گا

(۲)

نہ جانے ابر تیز رَو
مِرا کہاں چلا گیا
فضاؤں میں بہک گیا
بھٹک گیا، سنک گیا
خلاؤں میں وہ کھو گیا
میں منتظر ہوں رات دن
اسی کی راہ تکتا ہوں

یہ دل سے اپنے کہتا ہوں
وہ آئے گا، وہ آئے گا
پیام لے کے آئے گا
سرور و کیف لائے گا
خوشی کی مے پلائے گا
مری اُداس آنکھوں میں
ستارے جگمگائیں گے
مرے یہ خشک ہونٹ
بنیں گے لال پھول
یہ دل جو ہے جلا بُجھا
جو جَل کے راکھ ہوگیا
وہ ابر دل میں آئے تو

خوشی سے لہلہائے گا
بہارِ نو دِکھائے گا

نہ آنکھوں کو سکون ہے
نہ دل کو میرے چین ہے
تڑپ رہا ہے دل مرا
تڑپ رہی ہے جان بھی
نہ جانے ابر تیز رو
مرا کہاں چلا گیا
عقاب نے نہ کچھ کہا
غباروں نے نہ کچھ کہا
کہاں ہے ابر تیز رو

ہوائیں بولتی نہیں
خلائیں بولتی نہیں
کدھر ہے بال جبرئیل
یہ روز و شب، یہ ماہ و سال
یہ سب کے سب خموش ہیں
کسی کو کچھ خبر نہیں

خیال ہے تو بس یہی
جو آس ہے تو بس یہی
وہ تیز رو، وہ تازہ دم
وہ بے مثال ایلچی
وہاں سے لوٹ آئے تو

پیام اس کا لائے تو
گلوں کا اس کو ہار دوں
بہار بوستاں بھی دوں
یہ چاند تارے اس کو دوں
نگار آسماں بھی دوں
زمیں بھی اس کو نذر دوں
فلک بھی اس کو نذر دوں
یہ آنکھیں اس کو نذر دوں
یہ دل بھی اس کو نذر دوں
یہ جاں بھی اس کو نذر دوں
سبک روِ فلک مرا
پیام اس کا لائے تو

مِری اُمید تھک گئی
مِری نگاہ تھک گئی
مِرا یہ دل بھی تھک گیا
وہ تازہ دم، وہ تیز رو
وہ ابرِ صاعقہ فگن
سفر میں تھک کے رہ گیا
کہ راہ سے بھٹک گیا
وہ کھو گیا، وہ کھو گیا
وہ اب کبھی نہ آئے گا
وہ اب کبھی نہ آئے گا

(۳)

وہ دیکھو ابر تیز رو
جواب لے کے آ گیا!
وہ میرے دل کی روشنی
وہ جان، جانِ زندگی
ضرور آج آئے گا
وہ دل میں جگمگائے گا
وہ جاں میں گھر بنائے گا

یہ لو زمیں کو کیا ہوا
یہ لو فلک کو کیا ہوا

یہ سبزے کانپتے ہیں کیوں
یہ لالے کیوں ہیں سرنگوں
گلوں کا چہرہ زرد ہے
تو چشمے خاک اُڑاتے ہیں
بہار ساری مٹ گئی
زمیں لرز رہی ہے کیوں
فلک لرز رہا ہے کیوں
یہ چاند اب ہے ماند کیوں
ستارے کانپتے ہیں کیوں
جو کہکشاں کے پھول تھے
وہ پھول جھڑ رہے ہیں کیوں
فلک کی جو بہار تھی

وہ سب بہار لُٹ گئی

بھلا اس ابر تیز رو
کو میرے کیا یہ ہوگیا
یہ ابر ہے کہ فیل مَست
جو یوں فلک پہ ہے رواں
وہ کیوں ہے اتنا طیش میں
یہ غیظ، یہ غضب ہے کیوں
یہ گھڑکیاں ہیں کس لئے
وہ گھورتا ہے کیوں مجھے
وہ دانت پیستا ہے کیوں
یہ ہمہمہ، یہ چیخ کیوں

وہ فیل مست ، شیر نر
ڈرو کتا ، ڈکارتا
فلک پہ ہے رواں دواں
غضب کی یہ چمک ہے کیوں
غضب کی یہ کڑک ہے کیوں
غضب کی یہ گرج ہے کیا
سُنو وہ کہہ رہا ہے کیا :
مٹا دو اس زمین کو
مٹا دو آسمان کو
اُلٹ دو کائنات کو
طنابیں اس کی توڑ دو
حیات بے بساط کی

بساط آج تہ کرو

وہ فیل مست پُر غضب
فلک کو روندتا ہوا
زمیں کو روندتا ہوا
گزر گیا، گزر گیا

زمیں پر اَب سکون ہے
فلک پر اَب سکون ہے
سُنو یہ ابر نرم رو
پیام دے رہا ہے کیا:
میں کیا سُنوں، میں کیا کہوں

میں اب کبھی نہ آؤں گا
زمین میں نے تجھ کو دی
یہ اُونچی اُونچی چوٹیاں
یہ چوڑی چوڑی گھاٹیاں
یہ رنگ لالہ زار کے
یہ نغمے آبشار کے
محیط بحر بھی دیئے
بسیط دشت بھی دیئے
بہار دی ، خزاں بھی دی
فضائیں نیلی نیلی سی
اور ان کا سیمگوں چمن
یہ چاند ، تارے ، کہکشاں

یہ سب سجے ہیں کس لئے ؟
ترے لئے ۔ ازل سے ہی
نظام کُل دیا تجھے
زمام دل بھی دی تجھے
مگر یہ تو نے کیا کیا
زمیں کو ناس کر دیا
مجھے نراسا کر دیا
شرر جو تھا وہ سنگ ہے
جو آئینہ تھا زنگ ہے
جو پھُول تھا وہ خار ہے
جو نُور تھا وہ نار ہے
بہار بے بہار ہے

میں کیا کہوں کہ کیا دیا
یہ دل دیا، یہ جان دی
تمیز خیر و شر بھی دی
یہ عقل تیز ہوش بھی
یہ عشق سرفروش بھی
مگر یہ تو نے کیا کیا
زمیں کو بھی لٹا دیا
فلک کو بھی لٹا دیا
خدا کو بھی لٹا دیا

بتاؤں تو نے کیا کیا

دکھاؤں تو نے کیا کیا
یہ درد دیکھ، رنج دیکھ
یہ ظلم دیکھ، جبر دیکھ
یہ بے کسی، یہ بے بسی
یہ مُفلسی، یہ رہزنی
یہ جان و دل کی جاں کنی
یہ خوں کی ندّیاں بھی دیکھ
یہ دل تڑپ رہے ہیں کیوں
وہ جاں مچل رہی ہے کیوں
یہ آہ کیوں، فغاں ہے کیوں
یہ شورِ الاماں ہے کیوں

ملامتیں ہیں ہر گھڑی
مذمّتیں ہیں ہر گھڑی
ندامتیں ہیں ہر گھڑی
عداوتوں کے بول دیکھ
شقاوتوں کی چال دیکھ
یہ نفرتوں کی بات دیکھ
خصومتوں کی گھات دیکھ
یہ فتنہ و فساد کیوں
یہ جنگ کا عذاب کیوں
تمام شش جہت میں ہے
یہ مقتلِ حیات کیوں
میں کیسے مُنھ دِکھاؤں اب

میں کس کو مُنھ دِکھاؤں اَب
سجاؤں بزم کس طرح
تری حسیں زمین میں
مَیں گھر بناؤں کس طرح
میں اب کبھی نہ آؤں گا

(۴)

یہ کیا کہا، یہ کیا سُنا :
میں اَب کبھی نہ آؤں گا
یہ طعن کیوں ، یہ طنز کیا
بھلا مرا قصور کیا
تری یہ عقل تیز ہوش

ترا یہ عشق سرفروش
تمیز خیر و شر تری
یہ دل ترا، یہ جاں تری
زمیں تری، فلک ترا
تجھی سے زشت و خوب بھی
بھلا ترا، بُرا ترا
یہ طنز پھر، یہ طعن کیوں
مرا نظام کُل کہاں
مری زمام دل کہاں
غلط، دروغ، افترا

ارے یہ مجھ کو کیا ہوا

یہ کیا زباں پر آگیا
جنوں جنوں دِکھا گیا
میں شرم سے ہوں آب آب
مجھے تو اعتراف ہے
یہ عقل کا قصور ہے
یہ عشق کا قصور ہے
یہ سب مرا قصور ہے
جو مجھ سے میرا مہ جبیں
وہ حُسن، حُسن جاں گزیں
وہ جان، جانِ زندگی
خفا ہے، یوں ہے خشمگیں
میں ضعف سے نڈھال ہوں

میں درد سے ہوں جاں بلب
میں کس کو مُنہ دِکھاؤں اب
میں کیسے مُنہ دِکھاؤں اب
مناؤں اس کو کس طرح
میں سونے سونے دل میں پھر
بساؤں اس کو کس طرح

سُن اے پیمبرِ فلک
سُن اے زمیں کے ایلچی
مرا سلام اس سے کہہ
پیام دل کا اس سے کہہ
نقاب وہ اٹھائے تو

وہ دل میں میرے آئے تو
زمیں کو گھر بنائے تو
وطن کو پھر بسائے تو
میں اس سے دل لگاؤں گا
میں اس کو پھر مناؤں گا
میں روز و شب مناؤں گا

غریب کا پیام لے
غریب کا سلام لے
یہ تیغ بے نیام لے
قسم ہے خیر و حسن کی
قسم ہے عدل و عشق کی

قسم ہے فکر و جوش کی
قسم ہے درد و ہوش کی
یہ درد و غم مٹاؤں گا
یہ جبر و خوں مٹاؤں گا
یہ بیکسی، یہ رہزنی
یہ جان و دل کی جانکنی
میں یک قلم مٹاؤں گا

نیا فلک بناؤں گا
نئی زمیں بناؤں گا
پھر اُس کی اِس زمین کو
میں گلزمیں بناؤں گا

میں خیر سے بساؤں گا
میں حُسن سے سجاؤں گا
وہ دل میں میرے آئے تو
میں دل اسے بناؤں گا!

○

۲۵

میں ہوں، دل ویراں ہے
ویران لگا ہوں میں
ویرانۂ دُنیا ہے
اک خاک سی اُڑتی ہے!

کیوں تارے چمکتے ہیں
کیوں غنچے چٹکتے ہیں

پھولوں میں مہک کیوں ہے
گردوں پہ دھنک کیوں ہے
یہ رنگ شفق اپنا
اب کس کو دِکھاتی ہے؟

زلفوں میں شکن کیوں ہے
آنکھوں میں کرن کیوں ہے
بیباک اداؤں میں
تیغوں کا چلن کیوں ہے
یہ نور جبیں اپنا
اب کس کو دکھاتی ہے؟

کیوں عشق مچلتا ہے
کیوں درد سنبھلتا ہے
مجبور نظر کیوں ہے
کیوں اشک ٹپکتا ہے
اب دل کی تپش اپنا
دل کس کو دِکھاتی ہے؟

رنگین دھنک دیکھو
آنکھوں کی چمک دیکھو
اور دل کی کسک دیکھو
کانٹا بھی کھٹکتا ہے
کیا خون ٹپکتا ہے

دیکھا ہے نہ دیکھے گا
دل کون لگائے گا
کیوں جان سے جائے گا

سنسان نگاہیں ہیں
سنسان دل و جاں ہیں
سنسان بیاباں میں
یہ غول بیابانی
کیا شور مچاتے ہیں!

○

(۲۶)

یہ دل کا مندر سونا تھا
تاریکی گہری چھائی تھی
سنّاٹا لہریں لیتا تھا
آتا تھا نہ کوئی جاتا تھا
ناقوس نہ کوئی برہمن تھا
جو طور پہ شعلہ چمکا تھا

وہ مُنھ کو چھپائے بیٹھا تھا
کون اس کو منائے، کیسے منے
اُمید کا دامن چھوٹ گیا
گھبرا کے یہ آخر دل نے کہا
اب آؤ بنائیں ایسا صنم
جو حُسن میں اپنے یکتا ہو
جو بجلی کو بھی شرمائے
جو دل کو میرے گرمائے
جس کو دیکھوں، جس کو پوجوں
میں جس سے کہوں، جو میری سُنے
جو ساری مُرادیں برلائے

جب ایک صنم سے دل نہ بھرا
اس دل نے بنائے لاکھوں صنم
کیسے رنگیں، کیسے زرّیں
کیسے سُندر، کیسے پیارے!

کیا مست ہوائیں چلتی ہیں
گھنگھور گھٹائیں اٹھتی ہیں
بجلی یہ چمک کر کہتی ہے
بادَل یہ کڑک کر کہتا ہے
میرے یہ سجیلے ہیں مندر
یہ کیسے بنے ہیں موتی سے
یہ کیسے سجے ہیں مرجاں سے

یہ کیسے جڑے ہیں لعل و گہر
ہیرے کی چمک، نیلم کی دمک
سے دیکھو آنکھیں خیرہ ہیں

فطرت نے بنائے پیارے صنم
وہ ابر میں بجلی بنتے ہیں
وہ بجلی میں بھی چمکتے ہیں
نزدیک زمیں پر چلتے ہیں
اور دور فلک پر اڑتے ہیں
وہ چاند ستاروں میں روشن
سورج میں بھی ان کا درشن
کچھ اونچے پہاڑوں رہتے ہیں

کچھ وادی میں بھی بلتے ہیں
صحرا میں بگولے بنتے ہیں
موجوں سے بھی کھیلا کرتے ہیں
شاخوں میں جھولے جھولتے ہیں
اور لالۂ و گل میں چھپتے ہیں
چشموں میں وہ چہلیں کرتے ہیں
اے ابر و ہوا، اے لالۂ و گل
کیسے ہیں یہ پیارے پیارے صنم!

بجلی کی چمک روپوش ہوئی
بادل کی کڑک خاموش ہوئی
یہ دیکھو خیالوں کی دُنیا

یہ دُنیا کیسی رنگیں ہے
کیا بوقلموں ہیں اس میں صنم
یہ کیسی جوت جگاتے ہیں
اور اپنے اشاروں پر دل کو
یہ کیسے ناچ نچاتے ہیں
وہ شاہی کا دیکھو مندر
کیسا رنگیں، کیسا زرّیں
یہ فقر و غنا کے ہیں مندر
یہ بیم و رجا کے ہیں مندر
ان میرے خیالوں سے بنتے
ہیں روز نئے رنگین صنم
کچھ رنگ و خوں میں پلتے ہیں

کچھ قوم و وطن میں سجتے ہیں
مذہب کو یہ کتنے پیارے ہیں
جمہور کے راج دُلارے ہیں
یہ میرے خیالوں کی شکلیں
بنتی ہیں، شکستہ ہوتی ہیں
پھر شکلِ نو میں اُبھرتی ہیں

یہ کیسی بجلی آج گری
جو ٹوٹ گئے سب میرے صنم
یہ کیسے کیسے حسیں ریزے
اب بکھرے پڑے ہیں دھرتی پر
لو آؤ چنو ان ریزوں کو

اور ان سے بناؤ شکلیں نئی
اور ان سے بساؤ، ان سے سجو
پھر اپنے خیالوں کے مندر

دل ایک صنم سے کیسے بھرے
کعبہ میں بساؤ لاکھوں صنم!

○

۲۷

یہ جانِ جانِ نزاکت، ہزاروں زنجیریں
گناہِ زیست پہ اللہ! اتنی تعزیریں

چمن میں سُنتے یہ آئے ہیں سرو ہے آزاد
مگر بنایا ہے فطرت نے پا بہ گل اس کو
مری ہنسی بھی ہے پابند، میرے آنسو بھی
مری نگاہ ہے محصور میری آنکھوں میں

بچاری عقل بھی مجبور، دل بھی ہے مجبور
پھر اس پہ قید حیات اور بند غم بھی ہے
مگر یہ وہم ہے آزاد ہے مری دُنیا
مرا خیال ہے آزاد، فکر ہے آزاد
یہ کیا طلسم ہے، کیسا فریب ہستی ہے
کہ بے بسی ہے سراپا نگار آزادی

فلک پہ چاند ستاروں کا شب کو سیمیں جال
زمیں پہ پھولوں کے دیکھو بچھے ہیں رنگیں جال
پھر اس پہ حُسن نے پھیلائے ہیں یہ زرّیں جال
یہ میرے دل کی اُمنگیں، یہ ولولے میرے
یہ آرزوئیں مری اور یہ تمنّائیں

یہ حسرتیں، یہ امیدیں، یہ یاس، یہ حرماں
یہ روزِ ہجر کی کلفت، یہ وصل کے ارماں
یہ سب ہیں کیا مرے دل کی سنہری زنجیریں

مرا خیال ہے زنجیر، فکر ہے زنجیر
تمیزِ بندہ و آقا فساد کی زنجیر
خیالِ محنت و سرمایہ جنگ کی زنجیر
یہ رنگ و خوں بھی ہے زنجیر، قوم و ملت بھی
وطن بھی، مذہب و اوہام بھی ہیں زنجیریں
مرا شعور بناتا ہے اپنی زنجیریں
یہ میرے شعر جو اشکوں میں میرے پلتے ہیں
یہ کیا ہیں؟ لفظوں کی اُلجھی ہوئی سی زنجیریں!

چمکتے محلوں میں اللہ! کیا کرشمہ ہے
نہ جانے کتنے بنے ہیں طلسمی تہ خانے
اور ان طلسموں میں کتنے بسے ہیں جادوگر
جو روز نت نئے جادو جگایا کرتے ہیں
فسوں سے اپنے وہ کٹھ پتلیاں بناتے ہیں
اور ان کو پھر سرِ بازار لا بٹھاتے ہیں
یہ پتلیاں بھی ہیں صیدِ فریب آزادی
یہ ناچتی ہیں، تھرکتی ہیں، گیت گاتی ہیں
ہزار ناز و ادا سے یہ دل لبھاتی ہیں
یہ رقص و نغمہ و ناز و ادا ہیں زنجیریں

ہمارے دل میں دھڑکتی ہیں کتنی زنجیریں
ہمارے خوں میں اُبلتی ہیں کتنی زنجیریں
ہماری سانس میں پلتی ہیں کتنی زنجیریں
گناہِ زیست پہ اللہ! اتنی تعزیریں
یہ جان جانِ نزاکت ہزاروں زنجیریں

○

۲۸

دیکھو ان شوخ و شنگ شعروں کو
کیسی اٹکھیلیاں یہ کرتے ہیں
کبھی اپنے لباس زرّیں میں
شان اور تمکنت سے چلتے ہیں
کبھی عریانی ان کا زیور ہے
سر بازار ننگے پھرتے ہیں
یہ روایت سے دُور بھاگتے ہیں

پھر روایت نئی بناتے ہیں
نرم ریشم ہیں، سخت پتھر ہیں
کبھی یہ برف ہیں، کبھی شعلہ
پیاس دل کی کبھی بجھاتے ہیں
دل کو ٹھوکر کبھی لگاتے ہیں
کسی کو تخت پر بٹھاتے ہیں
اور پھر تاج چھین لیتے ہیں
یہی جابر کا منھ چڑھاتے ہیں
اور ٹھینگا اسے دکھاتے ہیں

میں یہ کہتا ہوں اپنے شعروں سے
اتنی شوخی تمہاری ٹھیک نہیں

درد کے دل نواز بن جاؤ
ناز چھوڑو نیاز بن جاؤ
چھوڑ دو بھی دل لگی کے گلخن کو
آؤ دیکھو بہار گلشن کو
دیکھو غزلوں کے لالہ زاروں کو
حسن رنگیں کے تاج داروں کو
حسن ان سے، جمال ان سے ہے
کبر ان سے، جلال ان سے ہے
دلِ عاشق میں ہے سرور ان سے
میری آنکھوں میں ہے جو نور ان سے
سنو اب عشق کے فسانوں کو
شوخ و رنگین داستانوں کو

قیس صحرا نورد کو دیکھو
اور فرہاد کو کبھی لوٹو کو
دیکھو یہ عاشق وفا پرور
رازِ دل کیسے کہہ سناتے ہیں
پھر اسے پردوں میں چھپاتے ہیں
کیسے یہ چاندنی فضاؤں میں
نالہ کرتے ہیں، آہ کرتے ہیں
آہ ان کی اثر بھی کرتی ہے
اور وہ زلف سر بھی ہوتی ہے

کیسے سمجھاؤں اپنے شعروں کو
یہ مری بات کچھ نہیں سنتے

دیکھتے ہو یہ شعر شوخ و شریر
شوخی جس میں نگاہ حُور کی ہے
میرے کانوں میں کیا یہ کہتا ہے:
مجھے کیا کام کوئے دلبر سے
کچھ دلِ زار میرے پاس نہیں

کوئی سمجھائے میرے شعروں کو
یہ مِری بات کچھ نہیں سُنتے
نت نئی شوخیاں دِکھاتے ہیں

○

(۲۹)

زمیں تھی سہانی ، فلک تھا سہانا
شفق کے تھے کچھ رنگ ابھی بادلوں پر
خموشی برستی تھی اوجِ فلک سے
ہوا میں سکوں تھا ، چمن میں سکوں تھا
جو چشمے تھے تصویرِ حیرت تھے گویا
گل و لالہ کرتے تھے دل کو اشارے
کوئی آ رہا ہے ، کوئی آ رہا ہے
یہ دل میں مرے کون مہمان آیا

دھڑکتا ہے دل، کیسی وحشت ہے طاری
کہ جیسے کوئی حادثہ ہوگیا ہے
اُبلتے ہیں آنسو، تڑپتی ہیں آہیں
لہُو کھولتا ہے یہ کیسا رگوں میں
مرے ہوش کا ہوش اب کھو رہا ہے

یہ دل میں مرے کون مہمان آیا
وہ قطرے کے دل کو بناتا ہے دریا
اسی سے یہ ذرّہ ہے مہرِ درخشاں
وہ پھُولوں میں ہے اور بُو میں نہیں ہے
وہ دُنیا میں ہے اور دُنیا سے بالا

مری رُوح کو چین، دل کو سکوں ہے

رگوں میں سکوں ہے، لہُو میں سکوں ہے
کب ایسا سکوں میری آنکھوں نے پایا
جو دُنیا کو دیکھا تو دُنیا نئی ہے

نہ وہ آسماں ہے، نہ اب وہ زمیں ہے
زمیں سے اُبلتا ہے اک نور گویا
نئے حُسن سے جگمگاتی ہے دُنیا

زمیں میں چمک ہے، فلک پر چمک ہے
گُل و لالہ روشن ہیں جیسے ستارے
ستاروں کی کرنوں میں جان آگئی ہے

مِرے دل میں یہ کون مہمان آیا

○

(۳۰)

یہ خواب کی دُنیا ہے
یا گُلشنِ رعنائی
پھُولوں میں لطافت ہے
اور سرو میں زیبائی
شبنم کی چمک میں ہے
تاروں کی ضیاباری

اس گُلشنِ رعنا میں

یہ کون خراماں ہے
چہرے سے عیاں اس کے
ہے شانِ جہانگیری
اور اس کی اداؤں میں
مجبوری و محکومی
آنکھوں میں ہے چنگیزی
ہونٹوں پہ مسیحائی
جو پھول ہیں گلشن میں
سب اس کے ہیں شیدائی

اس خواب کی دُنیا میں
بادَل بھی ہے، بجلی بھی

کلیاں بھی ہیں، کانٹے بھی
سیماب بھی، شبنم بھی
ذرّے بھی، زرِ گُل بھی
اس خواب کے گلشن کو
یہ سروِ رواں میرا
پھولوں سے سجاتا ہے
تاروں سے سجاتا ہے
پھر ایک اشارے میں
ویرانہ بناتا ہے

یہ سروِ رواں میرا
فتنہ بھی ہے، رحمت بھی

نوری بھی ہے ، ناری بھی
شیطاں بھی ہے، یزداں بھی
ایک آگ لگاتا ہے
ایک آگ بُجھاتا ہے

اس گلشنِ ہستی میں
اس آس کی بستی میں
اس یاس کی بستی میں
یہ کون خراماں ہے ؟

○

۳۱

یہ ابر و ہوا، یہ لالہ و گل
پُر لطف بہاریں لائے تھے
یہ نرم زمرّد سے سبزے
یہ ٹھنڈے سائے درختوں کے
نظارہ کی دعوت دیتے تھے

آرام کی دعوت دیتے تھے
دل نے یہ کہا اب چھوڑو بھی
یہ حیرت و حسرت کی دُنیا
پھر نرم ہوا کے جھونکوں سے
چشموں کے سہانے گیتوں سے
نیند آہی گئی ، نیند آہی گئی

جب آنکھ کھُلی تو کیا دیکھا
انجان سی کوئی بستی ہے
سنسان سی کوئی بستی ہے
سنّاٹے سارے رستے ہیں
اشجار بھی ہیں خاموش کھڑے

غنچہ نہ چٹکتا ہے کوئی
سبزے نہ یہاں لہراتے ہیں
بُلبُل کی چہک ہے مُہر بہ لب
بس کوئل کوک سُناتی ہے

میں دُور کہیں سے آیا ہوں
راہی ہے نہ کوئی رہبر ہے
کس سے پوچھوں، جاؤں کدھر
منزل ہے کہ بھُول بھلیّاں ہے
دل حیراں ہے، دل حیراں ہے

وہ دیکھو کشادہ سا رستہ

منزل کا نشاں کچھ دیتا ہے
دل نے یہ کہا اَب لوَٹ چلو
ورنہ آفت آجائے گی
میں چلنے لگا اُفتاں خیزاں
میں چلتا رہا، میں چلتا رہا
دل سے یہ کہا : اب آپہنچی
اب آپہنچی میری منزل
منزل تھی کہاں، ما دِلے تھا کہاں
دیوار کھڑی تھی پتھر کی

میں پھر کتنا دَوڑا دھوپا
پہروں ڈھونڈا، پہروں ڈھونڈا

اک دوسرا رستہ آیا نظر
اس رستہ پر میں آگے بڑھا
اور تیزی سے بڑھتا ہی گیا
دل نے یہ تسلّی دی مجھ کو
لو مشکل اب آسان ہوئی
اللہ! یہ کیسا جادو تھا
یہ سدِّ سکندر تھا کہ وہی
دیوار کھڑی تھی پتھر کی
اب کیا ہوگا، اب کیا ہوگا

لو دیکھو کیسی چوڑی سڑک
وہ جنگل میں لہراتی ہے

یا کوئی سانپ گزرتا ہے
دل نے یہ کہا شاید یہ سڑک
پہنچا دے مجھے اب منزل تک
میں آگے بڑھا، میں آگے بڑھا
ہلکی سی یہ آہٹ کیسی ہے
جیسے کوئی پیچھے آتا ہو
لیکن جو ذرا مُڑ کر دیکھا
سنسان سڑک تھی، کوئی نہ تھا
انساں تھا نہ غولِ بیاباں تھا

پھر دل کو تسلّی دی میں نے
اور اس سے کہا کچھ خوف نہ کر

یہ رستہ سیدھا رستہ ہے
یہ بستی سہانی بستی ہے
یہ جنگل پیارا پیارا ہے
اللہ ! یہ کیسی آہٹ ہے
پھر ہلکے ہلکے قدموں کی
کچھ چاپ سُنائی دیتی ہے
کیا شیر ببر ہے جنگل میں
جو صید کا پیچھا کرتا ہے
یہ بھاری بھاری کس کے قدم
اب پیچھے پیچھے آتے ہیں
کیسے میں چھپوں، اَب جاؤں کدھر
میں کیسے بچاؤں جان اپنی

اب کیا ہوگا، اب کیا ہوگا؟

کوئی بھی نہ تھا، کوئی بھی نہ تھا
میرے ہی تھے یہ نقش قدم
جو پیچھے آتے تھے!

○

(۳۲)

جو دل میں تھا میرے وہ مہماں کہاں ہے
وہ غنچوں میں چٹکا، وہ بلبل میں چہکا
وہ ذرّوں میں سمٹا، حبابوں میں ابھرا
شرر بن کے چمکا، دھنک بن کے جھلکا
مگر میں نے اس کا نہ کچھ کھوج پایا
پہاڑوں پہ پہنچا تو دریا کو جھانکا
ہواؤں سے پوچھا، غزالوں کو ٹوکا
بہاروں میں دیکھا تو خاروں سے الجھا

رگِ جاں میں کھو جا تو پرویں کو تاکا
زمیں پر بھی ڈھونڈا، فلک پر بھی ڈھونڈا
کہیں اس کا میں نے نہ پھر کھوج پایا
جو دل میں تھا میرے وہ مہماں کہاں ہے

وہی آسماں ہے، وہی یہ زمیں ہے
اُداسی اُداسی مگر چھا رہی ہے
نہ کوئل کہیں درد سے کوکتی ہے
نہ بُلبل چہکتی ہے اب شاخِ گُل پر
نہ پھُولوں میں نکہت، نہ پہلی سی بُو ہے
ستاروں کے چہرے بھی گہنا گئے ہیں
مری شمعِ محفل بھی لو جل بجھی ہے

جو دل میں تھا میرے وہ مہماں کہاں ہے

نہ آنکھوں کو چین اب نہ دل کو سکوں ہے
یہ حسرت کی دُنیا، یہ حرماں کی دُنیا
عجب خاکداں ہے، عجب خاکداں ہے
یہ کیسی مصیبت ہے، کیسی اذیّت
یہ دل کی رگیں میری کیوں ٹوٹتی ہیں
عجب درد ہے کچھ عجب جانکنی ہے
مِری موت بالیں پہ گویا کھڑی ہے
جو دل میں تھا میرے وہ مہماں کہاں ہے

○

(۳۳)

آواز یہ کیسی ہے، کس دیس سے آئی ہے
جو نرم ہَواؤں کی موجوں پہ خراماں ہے
یہ کیسے مدُھر سُر ہیں، کیا پیار کی باتیں ہیں
کیوں دل سے یہ اُٹھ اُٹھ کر پھر دل میں سماتی ہیں ؟

گزرے ہوئے دن میرے پھر یاد مجھے آئے
کیسے میں انہیں بھولوں وہ دن تھے بڑے پیارے
ہر صُبح سہانی تھی ، ہر شام سہانی تھی
فانوس تفکّر میں قندیل جھلکتی تھی
یا برق چمکتی تھی، ظلمت کو مٹاتی تھی
یہ دل تھا کہ گلشن میں جگنو کا چراغاں تھا
آنکھوں میں جو تارے تھے گردوں کے ستارے تھے
ہونٹوں کے تبسّم میں بجلی کا تموّج تھا
کچھ اس کے اشارے تھے، کچھ دل کے کنائے تھے
رنگین اُمنگیں تھیں، رنگین ادائیں تھیں
زہراب بھی امرت تھا !

یہ خنجر کیں کیوں ہے، یہ تیغ جفا کیوں ہے
یہ جبر و تشدّد کیوں، یہ زعمِ حکومت کیا
ہر بول عداوت کا، ہر چال خصومت کی
کیا شورشِ نفرت ہے، یلغار ہلاکت ہے
یہ دَور ہے وحشت کا، یہ دَور ہے وحشت کا
ہاتھوں میں غلاموں کے آزادی کا پرچم ہے!

بے نُور یہ آنکھیں ہیں، یہ دل بھی ہے نابینا
مجبوری و محکومی، اک بوجھ ہے اب جینا
ہر گام پر آفت ہے، ہر سانس اذیّت ہے
کیوں رُوح نہ گھبرا کر اب تن سے نکل جائے

گزری ہوئی باتیں کیوں پھر دل میں اُبھرتی ہیں
کیوں اگلی بہاروں کی پھر یاد دِلاتی ہیں
تنہائی کے وہ دن تھے، تنہائی کی وہ راتیں
معراج تھی، ہوتی تھیں خلوت میں ملاقاتیں
ہر وقت تھی دِلجوئی، ہر دم تھیں مداراتیں
اک نُور زمیں پر تھا، اک نُور فلک پر تھا
وہ بھُولی ہوئی یادیں گر دل میں سما جائیں
اس خشک رگِ جاں میں پھر جان سی پڑ جائے
دل سینے میں پھر دھڑکے، اِک شعلہ بھڑک اُٹھے
خاشاک کے ڈھیروں میں جو آگ لگا ڈالے

اے میری حسیں یادو! آکاش پہ تم چمکو

بجلی کی طرح تڑپو، دُنیا کو مٹا ڈالو
پھر ایک نئی دُنیا اس راکھ میں پرچھائے
جو حُسن کی دُنیا ہو، جو خیر کی دُنیا ہو
جو دردِ محبّت کو ہر دُکھ کی دوا جانے

○

(۳۴)

دریا کی مست لہریں سوئی ہوئی کہیں تھیں
دستِ صبا نے کیا کیا آ آ کے گدگدایا
آنکھیں انھوں نے کھولیں کچھ ناز کچھ ادا سے
سُکھ نیند سے وہ دیکھو انگڑائی لے کے اُٹھیں

سورج اُفق سے اُبھرا کرنوں کا جال لے کر
اور ظلمتِ فلک کو اس جال میں پھنسایا

آنکھوں میں بُلبلوں کی قندیلیں جگمگائیں
موجوں کے بادلوں میں بجلی چمک کے اُٹھی
دریا لہک رہا ہے، شعلہ بھڑک اُٹھا ہے!
حُسنِ ازل یہ شاید جادُو جگا رہا ہے

بُلبل میں وہ چہک ہے، وہ پھول میں مہک ہے
وہ رنگ ہے شفق میں، وہ نور ہے دھنک میں
شبنم میں جوت اس کی، تاروں میں روشنی ہے
کلیوں کی مسکراہٹ، موتی کی آبرو ہے
پانی میں ہے روانی، پرواز ہے ہوا میں
آسودہ مثل سایہ، موجوں کی بیکلی ہے
جُگنو کی بے زبانی، پروانہ کی تپش ہے

یہ حُسن اس کی صورت، یہ عشق اس کی سیرت
یہ درد اس کا دل ہے، یہ جان درد دل ہے!

دریا کی مست لہریں بے چین ہو رہی ہیں
کیا تیز و تُند جھونکے رہ رہ کے آرہے ہیں
قندیلیں بُلبلوں کی اب جھلملا رہی ہیں
ظلمت کے جال میں لو سُورج تڑپ رہا ہے
کیا کالے کالے بادل اللہ! چھا رہے ہیں
بجلی کڑک رہی ہے، طوفاں اُمنڈ رہے ہیں
تاریکیوں کے دستے ہر سمت بڑھ رہے ہیں
فوجِ یزید گویا یلغار کر رہی ہے
حُسنِ ازل کدھر ہے؟ روپوش ہو گیا ہے

ظلمت ہے اس کا ماویٰ، ظلمت ہے اس کا ملجا
ظلمت سے وہ بنا ہے، ظلمت میں جا چھپا ہے

ہستی کا دل ہے ظلمت، ظلمت میں نور کیوں ہے
کانٹوں میں پھول کیوں ہے، مٹّی میں جان کیوں ہے
شاہیں ہے کیوں ہوا میں، آبِ سراب کیوں ہے
سازِ عدم میں پنہاں سوزِ حیات کیوں ہے ؟

○

(۳۵)

خم گیسو ہے کہیں، طرّۂ پیچاں ہے کہیں
چشم جادو ہے کہیں، پنجۂ مژگاں ہے کہیں
دام پر دام ہے، زنجیروں پہ زنجیریں ہیں
دل معصوم ہے اور سینکڑوں تعزیریں ہیں
اس کو صیّاد کے پنجوں سے نکالے کوئی

کالے بادل ہیں یہ کیسے کہ اُڑے آتے ہیں
دیکھو کیا مارِ سیہ جوش میں بل کھاتے ہیں
کیسی یہ زلف پریشاں ہے پریشاں دیکھو •
دم بخود شانہ ہے، آئینہ ہے حیراں دیکھو
آئے اس زلف پریشاں کو سنوارے کوئی

کیسے ہنگامے شب و روز ہوا کرتے ہیں
خون ناحق کے بھی طوفان اُٹھا کرتے ہیں
خوں کے دریا میں یہ دن رات نہاتے کیوں ہو
گرم گرم اپنا لہُو روز بہاتے کیوں ہو
ایسے خونریز نہنگوں سے بچائے کوئی

چھوڑو مسجد کو، کلیسا سے بھی اب مُنھ موڑو
آؤ اصنام خیالی کو بھی مسمار کرو
لال پرچم نہ خبردار بناؤ دل کو
طوق زرّیں کے بھی پھندوں سے بچاؤ دل کو
دل کے مندر میں نئی شمع جلائے کوئی

شہپرِ فکر کی پرواز سے ڈرتے کیوں ہو
پرِ پرواز کو شاہیں کے کترتے کیوں ہو
سیر افلاک کرو، گنبدِ مینا پہ چڑھو
برق شب تاب بنو، عرش بریں پر چمکو
بالِ جبریل کو پرواز سکھائے کوئی

چاند کو دیکھو، کبھی زہرہ پہ ڈورے ڈالو
کبھی مرّیخ کو تاکو تو زحل کو جھانکو
مشتری لاکھ منائے پہ منائے نہ منو
کبھی اس جلوۂ خورشید سے آنکھیں سینکو
شعلۂ طُور کو آنکھوں میں بٹھائے کوئی!

(۳۶)

یہ خوابِ ناز کب تک، اے مستِ ناز دیکھو
دریا کے دل میں روشن سونے کی کہکشاں ہے!
کیسے وہ اُٹھ کے آئے وہ دُور سو رہی ہے
دُنیا کے درد و غم سے آزاد سو رہی ہے
فتنے ہزار اُٹھّیں، یہ آسمان لوٹے
اس کی جبیں پہ لیکن کوئی شکن نہیں ہے

وہ سُرمگیں نگاہیں، وہ نازنیں ادائیں
وہ بال بھورے بھورے اُلجھے ہوئے جبیں پر
نازک عذار رنگیں، پھولوں میں جیسے شعلے
وہ رنگ و بُو کی تتلی، خوش رنگ، پیاری پیاری
پھولوں سے وہ بنی ہے، تاروں میں وہ پلی ہے
میں اُس کو چاہتا ہوں، وہ مجھ کو چاہتی ہے

کس نے کہا کہ اب وہ جاں سے گزر گئی ہے
دُنیا سے موڑ کر مُنھ تربت میں جا بسی ہے
یہ جھُوٹ ہے، غلط ہے، تہمت ہے، افترا ہے

جب تک ہے خوں رگوں میں، آنکھوں میں روشنی ہے
دل میں تپش ہے باقی اور سانس چل رہی ہے
میں کیسے بھول جاؤں، کیسے اسے بھلاؤں
وہ نور ہے نظر میں، وہ خون ہے جگر میں
دل میں تڑپ اسی سے، جاں ہے اسی سے تن میں
وہ میری زندگی ہے، دُنیا کی زندگی ہے

○

(۳۷)

دستِ قدرت ہے خام کار، اسے
اپنی قدرت پر اختیار نہیں
شعر ہو، عشق ہو کہ حُسنِ ازل
ایک بھی نقش پائیدار نہیں
سیمیا کی ہے سیمیا سازی
ایسی ہستی کا اعتبار نہیں

اے گُلِ گُلستانِ رعنائی

ہے ہوائے خزاں بھی دامنگیر
شاخ بے برگ، پھول نقش غبار
حُسن صد رنگ کی ہے یہ تعبیر!

عاشقِ سرفروش و جاں پرور
دل میں پیوست ہے یہ کس کا تیر
کیا ہوئی حُسن کی مسیحائی
ناوکِ موت کا ہے تو نخچیر!

شاعر رازدارِ حُسن ازل
تیرا ہر لفظ ناوکِ دلگیر
تیرا ہر شعر چشمۂ حیواں

تو ہے کیا؟ اک مٹی ہوئی تحریر!

حُسن کو پختہ کار ہونے دو
عشق کو پائیدار ہونے دو
شعر کو سازگار ہونے دو
جبر پر اختیار ہونے دو
اعتبارات سے نہ کھیلوں گا
سیمیا سے نہ دل لگاؤں گا
جانِ آنی، نگارِ فانی کو
رازِ پائندگی بتاؤں گا

○

(۳۸)

آکاش سے آتی ہے یہ صدا:
اُٹھ باندھ کمر، لے زادِ سفر
چل دیکھ خُدا کیا کہتا ہے:

یہ دُنیا میں نے بنائی ہے
یہ رنگ و بُو کا گُلشن ہے
یہ حُسن و عشق کا خرمن ہے

یہ علم و عمل کا مسکن ہے
قندیل خرد سے روشن ہے
مانا کہ یہ پیاری پیاری ہے
اس دُنیا میں آرام نہ لے
جو ڈھونڈتا ہے، وہ پاتا ہے
جو سوتا ہے، وہ کھوتا ہے
آرام نہ لے، آرام نہ لے

دل میں نے بنایا پہلو میں
کیا جان جگائی مٹّی میں
یہ ہوش و خرد بھی میں نے دیئے
اُٹھ! ہوش و خرد کو کام میں لا

تو رقص شرر ہے پتھّر میں
تو سوز ہے، سازِ ہستی میں
تو جان ہے ، جانِ عالم ہے
اس خاک میں تو آرام نہ لے

آرام کہاں ہے دُنیا میں
آرام کسے ہے دُنیا میں
دریا کی موج گریزاں ہے
صحرا میں بگولا رقصاں ہے
شاہیں وہ ہَوا میں پرّاں ہے
چنگاری فلک پر تاباں ہے

چل دیکھ تماشا قدرت کا
یہ باغِ ارم ، یہ لوح و قلم
یہ عرش و طوبیٰ کیسے ہیں
یہ کاخ و ایواں کیسے ہیں
یہ حُور و غلماں کیسے ہیں
یہ جنّ و ملائک کیسے ہیں
جنّت کیسی ، دوزخ کیسی
اوہام کی دولت کیسی ہے !

آ نیلی فضائیں تجھ کو دوں
اپنی یہ خلائیں تجھ کو دوں
یہ چاند ستارے تجھ کو دوں

جوہر کے خزانے تجھ کو دوں
لے دیکھ تماشا قدرت کا
کیسے یہ خلائیں سجتی ہیں
یہ نُور کی شکلیں بنتی ہیں
بن بن کر کیسے بگڑتی ہیں
یہ پھُول کھلے ہیں تاروں کے
وہ لالے ہیں انگاروں کے
وہ گُلشن ہیں سیّاروں کے
ہاں دیکھ وہ سُورج بنتے ہیں
اور کتنے چاند سنورتے ہیں
یہ نُور کا دریا جوش پہ ہے
وہ کوہ سے آگ اُبلتی ہے

اور شعلے کتنے دہکتے ہیں
پھر کیسے ٹھنڈے ہوتے ہیں

یہ دیکھ چمکتے نظّارے
صد رنگ دہکتے انگارے
لیکن میں بتاؤں اے ہمدم
یہ چاند ستارے سونے ہیں
یہ دُنیائیں سب سونی ہیں
ان رخشاں، سوزاں شعلوں میں
اِک دل بھی تڑپتے دیکھا ہے؟
اِک جان تڑپتے دیکھی ہے؟
ہاں چاند چمکتا ہے شب کو

پُر نُور زمیں کو کرتا ہے
بے نُور مگر ہے اس کا دل
بے نُور ہیں اس کے کوہ و کمر
بے نُور بیاباں سارے ہیں

سُورج ہے دَہکتا سا شعلہ
کیا آگ کی بارش ہوتی ہے
کیا آگ کے دریا بہتے ہیں
کیا آگ کے طوفاں اُٹھتے ہیں
یہ آگ بھی ٹھنڈی ہو گی کبھی
یہ شعلہ بھی بجھ جائے گا
تو دور سمجھتا تھا ان کو

حیرت سے انہیں تو تکتا تھا
یہ دیکھ ہیں تیرے زیر نگیں!

سُن چاند یہ رو کر کہتا ہے
کیوں حُسن یہ میرا چھین لیا
کیوں راز یہ میرا کھول دیا
یہ میرا ہی تو کرشمہ ہے
جو شعر کی دُنیا روشن ہے
جو عشق کی دُنیا روشن ہے
یہ میرا ہی تو جادُو ہے
دیوانہ جو تجھ کو بناتا ہے
اب چاند کی کرنوں سے کوئی

کیوں اپنے شعر بنائے گا
کیوں اپنے گیت سجائے گا
اب کون سنائے گا کس کو
یہ ناز، یہ غمزے کیا ہوں گے
یہ حُسن کے افسوں کیا ہوں گے
یہ درد کی دولت کیا ہوگی
یہ شعر کی دُنیا کیا ہوگی

ہاں چاند کو رونے دھونے دے
آ میری خلاؤں میں کھوجا
کچھ خوف نہ کر، کچھ خوف نہ کر
یہ کس نے کہا، یہ کیسے کہا

خاموش خلائیں ساری ہیں
خاموشی سے جی ڈرتا ہے
خاموش کہاں ہیں، غور سے سُن
یہ ساز کے پردے بجتے ہیں
کچھ اپنی زباں میں کہتے ہیں:
یہ روشنی کیا، تاریکی کیا
یہ پستی کیا، یہ بلندی کیوں
یہ جوہر کیا ہے، عرض کیا ہے
کہنے کی یہ ساری باتیں ہیں
اضداد کہاں ہیں دُنیا میں
دریا میں جو یہ زیر و بم ہیں
تصویر کے گویا دو رُخ ہیں

جو جوہر ہے، وہ عرض بھی ہے
تاریکی نُور سے مشتق ہے
اور نور کا ظلمت مصدر ہے

ہمّت ہے تو آ اور کھوج مجھے
اس کون و مکاں میں ڈھونڈ مجھے
یہ کیسی بھول بھلیّاں ہے
ہر سمت خلائیں پھیلی ہیں
موجیں ہیں کہ بڑھتی جاتی ہیں
آ ڈھونڈ مجھے، آ ڈھونڈ مجھے
گُلشن میں ستاروں کے ہوں چھپا
جنگل میں شراروں کے ہوں چھپا

پُر نور فضاؤں میں ہوں چھپا
تاریک خلاؤں میں ہوں چھپا
میں دُور بھی ہوں، نزدیک بھی ہوں
ذرّوں میں دیکھ سمٹتا ہوں
سُورج میں دیکھ چمکتا ہوں
میں سبزوں پہ شبنم بنتا ہوں
میں قوسِ قزح میں جھلکتا ہوں
میں عرش و کُرسی کا ہوں مکیں
میں دھرتی پر ہوں گوشہ گزیں
میں سانس میں تیری مچلتا ہوں
میں خوں میں تیرے چھلکتا ہوں
میں دل میں تیرے دھڑکتا ہوں

میں دُور نہیں، میں دُور نہیں

تو کھوج مجھے ، میں تجھ سے چھپوں
تو پاس آئے ، میں بھاگ چلوں
تو مجھ سے ملے ، میں تجھ سے ملوں

یہ راز ہی رازِ ہستی ہے
تو عقل بنے ، میں عشق بنوں
تو جسم سے چھوٹے ، جان بنے
میں درد بنوں اور دل میں چھپوں
تو یزداں ، میں انسان بنوں !

(۳۹)

بزم انجم میں چلو، شعلۂ رخسار بنو
برقِ شب تاب بنو، حُسن شرر بار بنو

چاند کہتا ہے: مری بزم سجاؤ آکر
کب سے تکتا ہوں تمہیں، آنکھیں ملاؤ آکر
اپنی آنکھوں میں مَیں اک روز بٹھاؤں گا تمہیں
اپنے سینے سے میں اِکبار لگاؤں گا تمہیں
داغِ دل دیکھو، مرے درد کے غمخوار بنو

زہرہ کہتی ہے : یہ شوخی نہیں بھاتی مجھ کو
دیکھو دیکھو مری زلفوں کو نہ چھیڑو ہردم
ورنہ محفل سے میں اک روز نکالوں گی تمہیں
انہی زلفوں کا میں دیوانہ بناؤں گی تمہیں
ہاں خبردار ! نہ زلفوں کے گنہگار بنو

مشتری کرتی ہے وہ دیکھو اشارے کیا کیا :
مجھ سے کیوں روٹھے ہو، یوں دل سے بھلاتے کیوں ہو
میری آنکھوں سے اجی آنکھیں چُراتے کیوں ہو
بھری محفل میں نہ شرمندہ کرو یوں مجھ کو
منّتیں کرتی ہوں میرے بھی خریدار بنو

کہکشاں کہتی ہے: میں صدقے، مرے گھر آؤ
میرے گلشن کی یہ زرّین بہاریں دیکھو
آؤ گل گشت کرو، تاروں کی خوشبو سونگھو
اپنے تاروں کا میں اک ہار پنہاؤں گی تمہیں
کیسے بانکے ہو طرحدار، طرحدار بنو

جتنے یہ چاند ستارے ہیں، بلاتے ہیں تمہیں
محفلِ نُور کو سجتے ہیں، بلاتے ہیں تمہیں
کہتے ہیں: آؤ مرے دل کو بھی دلشاد کرو
کیسی سونی ہے یہ بستی، اسے آباد کرو
باندھو دستارِ فلک، طرّۂ دستار بنو

ہاں زحل ایک طرف چیں بہ جبیں بیٹھا ہے
لال لال آنکھوں سے وہ دیکھو ڈراتا ہے تمہیں
گھڑکیاں کیسی وہ دن رات بتاتا ہے تمہیں
ذُوالفقار اپنی اُٹھاؤ، وہ نہ ملنے گا کبھی
دُشمنِ دیں ہے وہ، تم حیدرِ کرّار بنو

بزمِ گیتی کو سجو، غازۂ رخسار بنو
گردشِ ساغرِ مے ہے، مئے سرشار بنو
دل کے دلدار بنو، جان کے غمخوار بنو
کیسے ساقی ہو کہ غافل ہو، نگہدار بنو

○

(۴۰)

زلف پُر شکن کیوں ہے
چشم سحر فن کیوں ہے
ابر کیوں گھر آیا ہے
برق کیوں چمکتی ہے
چھوڑو برق و باراں کو
توڑو ساغر و مینا
خُم کو بھی لنڈھا ڈالو

روندو لالۂ و گل کو

لوٹ لو بہاروں کو!

جس سے آنکھیں روشن تھیں
جس سے دل کی رونق تھی
جس سے خوں میں گرمی تھی
جاں میں جان پڑتی تھی
مجھ سے کیوں وہ روٹھا ہے
دل سے کیوں بھلاتا ہے
اس کو میں کہاں ڈھونڈوں
کیسے اس کو میں پاؤں؟

میرے دل کی دُنیا کو
کون اب سنوارے گا
داغ کے چراغوں سے
کون اسے سجائے گا
دردِ دل سُنے گا کون
کس کو میں سُناؤں گا
اپنے آنسوؤں کا ہار
کس کو میں پنھاؤں گا
میرے شعر سُن سُن کر
کون مُسکرائے گا
چاندنی میں غزلوں کو
کون گُنگُنائے گا

کس کی شوخ آنکھوں سے
تارے تھرتھرائیں گے
کس کے لال ہونٹوں سے
پھول خار کھائیں گے
کس کے عارضِ روشن
بجلیاں گرائیں گے

اب بجھادو تاروں کو
چاند کو بھی گل کردو
مُنھ پہ، کہہ دو سُورج کو
ڈال لے نقاب اپنی
اُلٹو خیمۂ افلاک

توڑ دو طناب اس کی
تہ کرو بساط اس کی

وہ جو دل میں آتا تھا
اب کبھی نہ آئے گا

○

(۴۱)

(۱)

وہ صُبح کا تارہ بن کے آیا
اے ماہ! وہ مہر بن کے آیا
کیسے بادل یہ چھا رہے ہیں
کیا کیا طوفاں اُمنڈ رہے ہیں!

وہ ابر میں برق بن کے آیا
وہ شعلۂ طور بن کے آیا
بحرِ ظلمت میں ہے تلاطم
موجیں کیسی بپھر رہی ہیں!

وہ آیا تڑپ کے میرے دل میں
وہ آیا نکھر کے میری جاں میں
روشن دل بھی ہے، جان بھی ہے
اللہ! یہ کیسا جان و دل سے
تاریک لہو اُبل رہا ہے!

غربت کے شکستہ ساغروں میں

وہ چھلکا مئے طہور بن کر
مجبوری و بیکسی کی آنکھوں
میں جھلکا نگاہ نور بن کر
وہ درد ہے ، درد کی دوا ہے
غربت ، بے چارگی ، بے بسی کی
لیکن کوئی دوا نہیں ہے !

(۲)

مندر میں اسے سنوارتے ہیں
مسجد میں اسے پکارتے ہیں
ایماں کا وہ نور بن کے آیا
جبریل کا اس نے روپ دھارا

پیغامِ حیات کہہ سُنایا

پیغام کہاں؟ یہ ہے فسانہ
لب اس کے اگر ذرا بھی کھلتے
یہ میری زبان لال ہوتی
ناقوس نہ مندروں میں پھنکتے
اور مسجدوں میں اذاں نہ ہوتی
یوں دیر و حرم میں خوں نہ ہوتے!

ہونٹ اس کے اگر ذرا بھی ہلتے
دل کو نہ تشکوک پھر ستاتے
یہ وہم و گماں یقین بنتے

دُنیا میں سکوت پھیل جاتا
اس دل میں سکوں پرا جماتا
یہ جان سکوں کی نیند سوتی !

سُنتے ہو یہ تلخ بات سچ ہے
الہام کہاں ، پیام کیسا ؟
اس نے نہ کبھی زبان کھولی
اس نے نہ کہیں نقاب اٹھائی
صحرا کے بگولے کچھ نہ بولے
گُلشن میں یہ غنچے بھی نہ چٹکے
جو راز تھا ، راز ہے ابھی تک
اس کے دل کی جو دھڑکنیں ہیں

اسلا ان کی نہیں خبر کچھ

(۳)

وہ شعلۂ تابناک دل ہے
اُمید ہے، انبساط دل ہے
وہ آنکھوں میں نور ہے، نظر ہے
وہ شہپر فکر کی ہے پرواز
لیلائے خودی کا وہ ہے محمل!

دیکھو تو یہ کیسا گُل کِھلا ہے
نظروں سے وہ گُل ہُوا ہوا ہے
اب دل میں خلش کہاں ہے اس کی

اب جاں میں تپش کہاں ہے اس کی
ڈھونڈو تو ذرا کہ وہ کہاں ہے
کس دیس میں اب وہ جا بسا ہے
افسانے بہت سُنے ہیں اس کے:
وہ مست نیاز ہے حرم میں
وہ رفتۂ ناز ہے صنم میں
شمشاد ہے سرفراز اس سے
گل دیدۂ نیم باز اس سے
اس کا ہے عکس جام مے میں
آتی ہے صدا اسی کی نے میں۔
یہ شعر کی خوش خیالیاں ہیں
یہ آب نہیں، سراب دل ہے!

وہ بزم سرور میں کہاں ہے؟
وہ گلشن رنگ میں کہاں ہے؟
مندر میں کسی نے اس کو دیکھا؟
مسجد میں کسی نے اس کو پایا؟
دیکھو! ناقوس پھنک رہے ہیں
دن رات اذانیں گونجتی ہیں
ذرّہ ذرّہ پکارتا ہے
قطروں کی زبانیں سوکھتی ہیں
اللہ رے کبر و ناز اس کا
سنتا نہیں وہ ذرا کسی کی

عالم تو ہے تیرگی کا مسکن
یہ حُسن کا، خیر کا ہے مدفن
وہ کون ہے خاک و خوں میں غلطاں
یہ کس کی فغاں ہے چرخ بر دوش!

○

(۴۲)

(۱)

کیا جواں اُمنگیں ہیں
شوخ و شنگ پریاں ہیں
جان ہیں نزاکت کی
رُوح ہیں لطافت کی
ان کی جانکنی دیکھو
یوں جو آہنی پنجوں

میں پڑی تڑپتی ہیں
کون انہیں بچائے گا
کیسے اب یہ چھوٹیں گی
اور دل کے محلوں کو
کیسے پھر بسائیں گی
میں ہوں اور تنہائی
شعر ہے مرا بستر
شعر ہے مرا تکیہ
اور میری آنکھوں میں
لال لال موتی ہیں
لال لال ہیرے ہیں
کیا چمک دِکھاتے ہیں !

کیسے قید سے چھوٹوں
کیسے ٹوٹیں دیواریں
آنکھ میری زنداں ہے
عقل میری زنداں ہے
جان و دل بھی زِنداں ہیں

یہ سیاہ دیواریں
دن کو رات کرتی ہیں
اِک دھُواں سا چھایا ہے
کالی کالی آنکھیں ہیں
یا شگاف ہیں، جن سے
روشنی سی رِستی ہے

جیسے دل میں ہوں ناسور
پیپ سی ٹپکتی ہو
آؤ دیکھو روزن سے
لالہ فام دُنیا کو
گُل کی نرم پلکوں پر
اوس جگمگاتی ہے
سبزے پَر سُکھاتے ہیں
بجلیاں چٹکتی ہیں
بُو خرام کرتی ہے
کیسے گُل کترتی ہے
لالہ و گُل و ریحاں
مجھ سے ہنس کے کہتے ہیں:

آؤ میری محفل میں
دیکھو مجھ سے مت روٹھو!

دور اِک طرف دیکھو
کیا بلند ایواں ہیں
زر نگار محلوں کی
زر نگار آرائش
دعوتِ نظارہ ہے
گُل فروش قالیں ہیں
یاسمیں کے بستر ہیں
کیسے قاقم و سنجاب
کیا حریر و دیبا ہیں

کس کے نرم ریشم سے
ہونٹ مجھ سے کہتے ہیں
چھوڑو بسترِ خاکی
چھوڑو خشت کا تکیہ
میری ریشمی آغوش
انتظار کرتی ہے!

دور دور نظروں سے
کوہ سر اُٹھاتے ہیں
آسماں کو چھوتے ہیں
ان کی برف کی دستار
زرق برق کیسی ہے

دیکھو آبشاروں کو
پارے سانپ بن بن کر
اوج پر تڑپتے ہیں
اور سُریلے نغموں کی
ندّیاں بہاتے ہیں
کیسے کیسے دریا ہیں
خواب ناز کرتے ہیں
اور پھر وہ اُٹھ اُٹھ کر
جوش میں بپھرتے ہیں
موجوں کی ہیں زنجیریں
سیل بھی گریزاں ہے

کیا سجیلے جنگل ہیں
شعلے پھول بنتے ہیں
آگ سی لہکتی ہے
آج یہ زمرّد کیا
برگ و بار لائے ہیں
جھولتے ہیں پتّوں میں
شاخوں میں لچکتے ہیں
ٹھنڈے سبز سایوں میں
سبزہ رُخ خیالوں کو
ٹھنڈی نیند آتی ہے
پھر یہ رنگ کے طائر
بال و پر ہلاتے ہیں

دُور دُور اُڑتے ہیں
پیارے گیت گاتے ہیں

میں ہوں اور زنداں ہے
خاک کا یہ بستر ہے
دل تڑپ نہیں سکتا
جاں نکل نہیں سکتی

(۲)

آؤ صحنِ زنداں میں
دیکھو گنبدِ مینا
نیلگوں چمکتا ہے

اُجلے اُجلے بادل کیا
ناز سے مچلتے ہیں
یہ غزال مینائی
خوش خرام کیسے ہیں
ایک ابر کا ٹکڑا
مثل تیر اڑتا ہے
کچھ لگن سی دل میں ہے
ایلچی کسی کا ہے
یوں جو وہ فلک پیما
تیز تیز آتا ہے
تیز تیز جاتا ہے

کیسی سنسناہٹ ہے
تیز و تُند یہ جھونکے
نیم کی پھننگوں کو
دیکھو کیوں ستاتے ہیں
شاخیں کیوں اُلجھتی ہیں
پتّے کیوں پریشاں ہیں
کیوں یہ کرلوں کے طائر
جھاڑتے ہیں پر اپنے ؟
کالے بادَل اُٹھتے ہیں
مہر منھ چھپاتا ہے
اب زمیں لرزتی ہے
اب فلک لرزتا ہے

برق آج توڑے گی

گِر کے یہ درِ زنداں

یہ سیاہ دیواریں

ٹُوٹ ٹوٹ جائیں گی!

بُوندیں بھی برستی ہیں

اور چھتوں پہ زنداں کی

میٹھے گیت گاتی ہیں

اور صحنِ زنداں میں

ندّیاں بناتی ہیں

کیسی تیز بُوندیں ہیں

کتنی تیز بارش ہے

سیلِ کیا بپھرتی ہیں
بحر اُمنڈا آتا ہے
آئے نوح کا طوفاں
اس سیاہ دُنیا کو
آج پھر بہا لے جائے !

کیا ہوا مرا طوفاں
کیا ہوئی مری بجلی
کیا ہوئے مرے بادل
پھر وہ گنبدِ مینا
نیلگوں چمکتا ہے
اور وہ مرا شاہیں

لو! خروج کرتا ہے
آسماں پہ چڑھتا ہے
جی ہی جی میں کہتا ہے:
آج گنبدِ مینا
کی بلند چوٹی پر
آشیاں بناتا ہوں
اور طائرِ سدرہ
کو بھی صید کرتا ہوں
بس چلا تو یزداں کو
آج صید کرتا ہوں
یہ چکوروں کی دُنیا
کانپ کانپ جاتی ہے

اور یہ پرندے سب
ڈر سے پھڑ پھڑاتے ہیں
دیکھو چھپتے پھرتے ہیں
ان کی عقل حیراں ہے
اپنے دل سے کہتے ہیں
شاید آج یہ شاہیں
مہر کی شعاعوں کے
گرم گرم شعلوں سے
اپنی آنکھیں سینکے گا
آہ! وہ مرا شاہیں
اڑتے اڑتے نظروں سے
ہوگیا کہاں اوجھل؟

(۳)

دیکھو شام آئی ہے
آسماں کے گُلشن میں
کیا بہار پھُولی ہے
رنگ کے درختوں میں
کوپلیں نکلتی ہیں
لالہ لہلہاتا ہے
ارغواں بھی ہنستا ہے
نیلے نیلے غنچے ہیں
زرد زرد بوٹے ہیں
اودے اودے پتّے ہیں
کالے کالے سائے ہیں

روشنی کے چشموں کے
سیمگوں نظارے ہیں
رنگ کی شعاعوں سے
آنکھیں پھول بنتی ہیں !

نیلگوں فضاؤں میں
وہ ستارہ کیسا ہے ؟
یہ خوشی کا پرچم ہے
یہ اُمید فردا ہے
روشنی ہے آنکھوں میں
روشنی ہے دُنیا میں
روشنی ہے زنداں میں

تیرگی لرزتی ہے
یہ چراغ ہے، اس سے
لو چراغ جلتے ہیں
نیلگوں فضاؤں میں
دیکھو اب چراغاں ہے!
اور دیکھو مشرق سے
چاند بھی اُبھرتا ہے
اُجلے اُجلے تاروں کا
جال پھیل جاتا ہے
اور انجمِ کم ضو
جال میں تڑپتے ہیں
ان کی ننھی سی آنکھیں

کیسی جھلملاتی ہیں
یہ نظر کا دھوکا ہے
چاند ازل کا مفلس ہے
روشنی وہ سورج سے
مستعار لیتا ہے
مانگے کے اُجالے سے
رُعب کیا جماتا ہے
وہ جو ننھّے تارے ہیں
رشکِ مہرِ تاباں ہیں
کیسے کیسے سیّارے
ان کی بزمِ انور میں
رقصِ ناز کرتے ہیں

کیا بھبھوکے بیٹھے ہیں !
کیا قیامت اُٹھتی ہے !
ہر ادا میں جنّت ہے
ہر نگاہ جنّت ہے

(۴)

دور وہ خلاؤں میں
تیر سے دہکتے ہیں
تیر ہیں کہ شعلے ہیں
کس کماں سے نکلے ہیں
محفلِ فلک ان کا
آج کیوں نشانہ ہے ؟
یہ شہاب ثاقب ہیں

جو زمیں سے لوٹتے ہیں
اور فلک پہ گرتے ہیں!
آج یہ ستارے کیوں
تیز تیز چلتے ہیں
اب نظام محکم کے
نظم میں خلل کیوں ہے؟
یہ زمیں کے تارے ہیں
آسماں پہ روشن ہیں
چاند تارے حیراں ہیں
کہکشاں بھی حیراں ہے
ننھے ننھے یہ تارے
آج پر فشاں کیوں ہیں

دیکھو! ان ستاروں میں
کوئی شوخ بیٹھا ہے
تاک جھانک کرتا ہے
اور ناز سے اُٹھ کر
وہ خلا کی موجوں پر
پھر خرام کرتا ہے
اور نقشِ پا اس کے
سنگِ میل بنتے ہیں

عرش والے کہتے ہیں:
دیکھنا ذرا اس کو

دوست ہے کہ دُشمن ہے
کیا پیام لایا ہے
صُلح ہے پیام اُس کا
یا وہ دُشمنِ جاں ہے
تیغ بے نیام اس کی
ورنہ یوں علم کیوں ہے ؟
آج اکیلا آیا ہے
اور کل یہی کافِر
فوج ساتھ لائے گا
سلطنت کو لوٹے گا
وہ کوئی ہلاکو ہے
یا ہے غزنوی کوئی

سومنات نیلی پر
جو پرا جماتا ہے
ہو نہ ہو وہ شیطاں ہے
جو خروج کرتا ہے
آسماں کو روندے گا
عرش کو بھی روندے گا
آج عرش والوں کو
وہ مزہ چکھائے گا

دیکھو! کوئی کہتا ہے:
یہ تو میرا آدم ہے
جس کو کس رعونت سے

عرش کے فرشتوں نے
زر نگار جنّت سے
ایک دن نکالا تھا
میرے بھولنے والے
آؤ اپنی جنّت میں
منتظر فرشتے ہیں
منتظر ہے یزداں بھی
حرف یہ زباں پر ہے
کتنی طول ہیں اللہ!
انتظار کی گھڑیاں
میں ہوں اور تنہائی
دردِ دل کہوں کس سے

کون ہے جو سُن پائے

یہ بساطِ مینائی
یہ خلا کی پہنائی
یہ چمکتی دُنیائیں
یہ سنورتی بُنیادیں
یہ ستاروں کے گلشن
یہ شراروں کے جنگل
یہ دہکتے انگارے
یہ لہکتے ویرانے
بحرِ حُسن کی موجیں
برقِ نُور کے کڑکے

یہ طلسم نورِ افشاں
دعوتِ نظارہ ہے
مجھ کو ڈھونڈنے والے
اس طلسم کو دیکھو
اور حصار روشن کو
اپنے اسم اعظم سے
پاش پاش کر ڈالو
آؤ بیٹھو آنکھوں میں
اور دل میں بس جاؤ
میری آنکھیں روشن ہوں
میری عقل روشن ہو
میرا دل بھی روشن ہو

کوہِ طُور پھر چمکے
دل بنے، دھڑک اُٹھے
سنگ کی رگوں میں پھر
نُور کا لہُو جھلکے
خاک نُور بن جائے!

آنکھ میری زنداں ہے
عقل میری زنداں ہے
شعر میرا زنداں ہے
کیسے قید سے چھوٹوں
کیسے بیٹھیں دیواریں
کیسے ٹوٹیں زنجیریں!

(۵)

کیا فریب ہستی ہے
اس غریب انساں کی
عقل و فکر پر دیکھو!
مفلسی برستی ہے
عشق ناتواں اس کا
جان مضمحل اس کی
خوش ہے بس گھروندوں سے
ان حسیں کھلونوں سے
دل یہ کیوں لگاتا ہے
عمر کیوں گنواتا ہے
یہ گھروندے بنتے ہیں

اور پھر بگڑتے ہیں
کوئی عرش پر بیٹھا
مشق ناز کرتا ہے

چھوڑو عالمِ امکاں
دل کو اپنے اَب دیکھو
رازِ کُن یہی دل ہے
اپنی جاں کے ذرّوں کو
امر رب کے ذرّوں کو
پاش پاش کر ڈالو
برقِ نو بنا ڈالو
بجلیاں بھڑک اُٹھیں

یہ خلا چمک اُٹھے
اور برقِ طُور اپنے
نازِ لَن ترانی کو
دل سے یوں بھُلا ڈالے
عرشِ دل دہک اُٹھے
طُور، طُورِ دُنیا ہو
ایسی شمع روشن ہو
جس سے عالمِ کثرت
آپ مثلِ پروانہ
پھر سمٹ کے آجائے
اور روئے روشن پر
جاں نثار کر ڈالے!

پھر نہ یہ زمیں ہو گی
پھر نہ یہ فلک ہو گا
رنگ و نُور کے گُلشن
مثلِ بُو ہوَا ہوں گے
سینۂ ازل ہو گا
اور میرا سَر ہو گا
ایک میرا دل ہو گا
اس کی دھڑکنیں ہوں گی!

○

مکتبہ خانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی